© Khwaja Syed Mohammad Shafi Nizami

Rs.10/-

بارگاہِ سلطان المشائخ حضرت خواجہ سید نظام الدین اولیاء محبوب الٰہی کا

ماہنامہ

منادی

نئی دہلی

خواجگان نمبر



https://www.khwajahassanizamilife

©Khwaja Syed Mohammad Shafi Nizami

منادی للایمان والاتقیاء

بارگاہ سلطان المشائخ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء محبوب الٰہیؒ سے

ایمان اور امن کی ندا دینے والا

اور ان کے جانشین

امام المشائخ شمس العلماء حضرت خواجہ حسن نظامیؒ کی یادگار

ماہنامہ

منادی

نئی دہلی

منادی ۱۹۲۶ء سے جاری ہے یہ ۸۵ ویں جلد (نومبر ۲۰۱۱ء) کا گیارہواں شمارہ ہے

مدیر

خواجہ حسن ثانی نظامی

درگاہ شریف اور منادی کے بارے میں خط و کتابت کرنے اور قیمت جمع کرانے کا پتہ

خواجہ حسن ثانی نظامی

ڈاکخانہ حضرت نظام الدین اولیاءؒ

نئی دہلی ۱۱۰۰۱۳

سلطان المشائخ حضرت نظام الدین اولیاءؒ نے فرمایا: ''ترکِ دنیا یہ نہیں ہے کہ کوئی اپنے آپ کو ننگا کر لے۔ مثلاً لنگوٹی باندھ کر بیٹھ جائے۔ ترکِ دنیا یہ ہے کہ لباس پہنے اور کھانا کھائے، البتہ جو کچھ آئے اُسے خرچ کرتا رہے، جمع نہ کرے اور اُس سے رغبت نہ رکھے اور دل کو کسی چیز سے اٹکائے نہ رکھے۔''

سالانہ قیمت

ہندوستان میں

ایک سو روپے

غیر ممالک سے

پندرہ ڈالر

فی پرچہ

دس روپے

فہرست

حضرت خواجہ حسن نظامیؒ	۲	جناب رفعت سروش
سی پارۂ دل	۳	بابائے اردو مولوی عبدالحق
خود خواجہ صاحب	۵	حضرت ملا محمد واحدی
مصورِ فطرت حضرت خواجہ حسن نظامیؒ	۱۱	ابوالخیر کشفی
حضرت خواجہ صاحبؒ اور ان کی چند تحریکیں	۱۵	ڈاکٹر ضیاء الدین شکیب
حضرت خواجہ حسن نظامیؒ اور مذہبی مفاہمت	۱۹	خواجہ حسن ثانی نظامی

☆☆☆

پرنٹر پبلشر خواجہ حسن ثانی نظامی نے، ایم آر پرنٹرس، گلی گڑھیا کوچہ چیلان، دہلی ۲ میں چھپوا کر درگاہ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء نئی دہلی ۱۳ سے شائع کیا

©https://www.khwajahasanmizamilife

© Khwaja Syed Mohammad Shafi Nizami

حضرت خواجہ حسن نظامیؒ

از

جناب رفعت سروشؔ

وہ شیخِ شریعت، وہ پیرِ طریقت، مجسّم شرافت، سراسر محبت مفسّر وہ قرآن کی آیتوں کا، وہ اک ترجمان پیامِ رسالت نوا صوفیانہ، سخن شاعرانہ، نظر عارفانہ، بیاں عالمانہ عطاء کرگیا ہے وہ اتنا خزانہ، کرے گا سدا استفادہ زمانہ بتایا ہمیں اپنے حسن عمل سے تصوف کا مطلب نہیں ترکِ دنیا عمل زندگی ہے، عمل آگہی ہے، عمل سے ہی ملتی ہے دنیا و عقبیٰ وہ گفتار، شہد و شکر کی حلاوت، وہ کردار، فولاد کی سی صلابت مسخّر کرے، دشمنوں کے دلوں کو، وہ طرزِ تکلّم، وہ سحرِ خطابت قلم اس کی تلوار رزمِ خرد میں، قلم گل فشاں بزمِ علم و ہنر میں قلم کے نئے قافلوں کا وہ رہبر، دکھائی ادب کی نئی شاہرا میں وہ خواجہ حسن، نور شمع نظامیؒ، بزرگان دین مبیں کا پیامی مقدس ، مطہر، مفخر، معزز رہے گی سدا اس کی ذات گرامی سروشؔ اس کے مرقد پہ روزِ ابد تک یونہی بارشِ نور ہوتی رہے گی اور اس خاکِ اطہر کی برکت سے ہر اک بلائے جہاں دور ہوتی رہے گی

(یہ منقبت ۲۲ر جولائی ۱۹۸۹ء کو حضرت خواجہ صاحبؒ کے سالانہ عرس کی محفل میں پڑھی گئی۔)

© https://www.khwajahasannizami.life

© Khwaja Syed Mohammad Shafi Nizami

سی پارۂ دل

بابائے اردو مولوی عبدالحق صاحب مرحوم

اردو زبان میں نثر کا دور تھوڑے ہی عرصے سے شروع ہوا ہے۔ اس کی ابتدا بھی مثل بعض زبانوں کے شاعری ہی سے ہوئی اور کیوں نہ ہوتی۔ اس نے برج بھاشا کا دودھ پیا ہے جو گویا شاعری ہی کے لیے بنی تھی۔ سب سے پہلے میر امّن نے نثر کا سکّہ جمایا اور حقیقت یہ ہے کہ اس کی کتاب اب بھی اپنے رنگ میں بے مثل ہے۔ اس کے بعد مرزا رفیع سودا، پھر سید احمد خاں، مولانا حالی، نذیر احمد، مولانا آزاد، مولانا شبلی نے اس کا وہ مرتبہ بڑھایا کہ نثر نظم پر سبقت لے گئی۔

آج کل خواجہ حسن نظامی صاحب نے اس میدان میں اشہب قلم دوڑایا ہے اور کوئی الٹر نثری بجایا ہے۔ ان کا رنگ سب سے نرالا ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ آزاد کا رنگ اڑایا ہے، یہ صحیح نہیں، اس میں شک نہیں کہ آزاد کی جھلک پائی جاتی ہے، ورنہ اصل میں اس سے بالکل الگ ہے۔ آزاد میں تصنع زیادہ ہے۔ خواجہ صاحب کے جملے اور فقرے بھی اگرچہ فکر و تراش سے خالی نہیں ہوتے، لیکن اسے اس خوبی سے چھپایا ہے کہ بے تکلفی اور بے ساختی پن قربان ہو ہو جاتا ہے بلکہ دیکھا جائے تو خواجہ صاحب کا رنگ مرزا غالب سے بہت ملتا جلتا ہے، لیکن فرق یہ ہے کہ ظرافت کی چاشنی نہیں، مگر اس کی بجائے سوز و گداز ہے۔ مرزا کے فقرے ظرافت کے ساتھ محبت میں گھلے ہوئے ہوتے ہیں۔ خواجہ صاحب کے مضمون درد سے بھرے ہوئے ہوتے ہیں۔ خواجہ صاحب کی عبارت میں چوچلا بھی ہے، جو سیدھی سادی بات کو پھول کی طرح شگفتہ کر دیتا ہے۔ مرزا ایک ذرا سی ترکیب لفظی یا ایک جملے میں وہ کچھ کہہ جاتے ہیں کہ آدمی مزا لیتا رہے۔ خواجہ صاحب اپنے مضمون میں ایک ایک جزو کو الگ الگ کر دکھاتے اور وہ گلکاری کرتے ہیں کہ آدمی عش عش کرے۔

جو حکیمانہ اسرار اور فلسفیانہ نکات چاہتے ہیں، یہ تحریریں ان کے لیے نہیں یہ ان کے لیے ہیں، جو دل رکھتے ہیں، جو عقل و حکمت سے رازِ دہر کی جستجو میں ہیں۔ ان کی نظروں میں شاید یہ نہ جچیں گی، لیکن جو درد دل اور عشق و محبت کے توسل سے وہاں پہنچنا چاہتے ہیں، انھیں اس میں لطف آئے گا۔

یہ اخلاقی مضامین نہیں، لیکن اخلاق کا رنگ ان سے ٹپکتا ہے۔ ان میں تصوف کا دعویٰ نہیں، لیکن تصوف کی بو ان میں پائی جاتی ہے۔ یہ معاشرتی تحریریں نہیں، لیکن معاشرت کی اصلاح ان میں نظر آتی ہے۔ یہ حکیمانہ رسائل نہیں لیکن حکمت ان کی تہہ میں ہے۔ ہر کوچہ کی سیر کی ہے اور ہر گلی کی خاک چھانی ہے۔ کہنی اور ان کہنی سب کچھ کہہ دی ہے۔ آگے پڑھنے اور سمجھنے والے کی صلاحیت پر موقوف ہے۔

ان مضامین میں کہیں خواجہ صاحب کسی سے باتیں کرتے ہوئے معلوم ہوتے ہیں۔ کہیں وہ اپنے سے ہم کلام ہیں۔ کہیں راز و نیاز ہے، کہیں درد دل کی داستان ہے اور اپنا اور ہمارا دکھڑا رو رہے ہیں۔ کون ہے جو "ایک عرب کے گھر" کو دل تھامے بغیر پڑھ سکتا ہے[1]؟ کہیں تخیل کا زور عرش تک لے گیا ہے، کہیں نثر میں وہ شاعری کی شان دکھائی ہے کہ نظم مقفّٰے ہیچ ہے، کہیں ذرّے کو آفتاب بنایا ہے اور کہیں آفتاب کو خاک۔ غرض عجیب گلدستہ ہے، جس میں ہر رنگ کے پھول اور ہر پھول میں نئی خوشبو ہے۔ گو

---

[1] یہ مضمون بعد کی اشاعتوں میں درج نہیں کیا گیا۔ (ناشر)

© https://www.khwajahasanmizamilife

© Khwaja Syed Mohammad Shafi Nizami

سب کچھ ہے مگر سُر وہی ہے اور لَے میں فرق نہیں آیا ہے۔

لیکن معترض یہ پوچھتا ہے کہ آخر اس کی غرض کیا ہے؟ خواجہ صاحب کیا چاہتے ہیں؟ ان کا مشن کیا ہے؟ کیا کوئی خاص غرض و غایت بھی ہے یا یوں ہی تک بے تک جو جی میں آتا ہے کہے چلے جاتے ہیں۔ وہ جواب دیتے ہیں کہ ''میں مدینہ نگری سے پریم کا سندیسا لایا ہوں۔'' اور یہ کہہ کے چُپ ہو جاتے ہیں اور ان کی چُپ سے جی گھبراتا ہے۔

بعض لوگ کہیں کہیں مضمون کی طوالت سے گھبرائیں گے۔ کہیں کہیں وہ بظاہر بے ربطی سی پائیں گے، کہیں مضمون و طرز تحریر کی یکسانی سے اکتائیں گے، کہیں عامیانہ باتوں پر ناک بھوں چڑھائیں گے، لیکن یاد رکھنا چاہیے کہ انہی عامیانہ باتوں میں کام کی باتیں بھی ہوتی ہیں۔ عرفی نے خوب کہا ہے ع:

اینہا ہمہ راز است کہ معلوم عوام است

ہاں نظر ہونی چاہیے۔

اس کی خوبی کے تو کیا کہنے مگر
دیکھنے والے کو دیکھا چاہیے

داغ

آپ پڑھ کے دیکھیے اور خود اندازہ کیجیے، کسی کے کہنے پر نہ جائیے۔ جی کو لگے تو کہنے والے کی محنت کی داد دیجیے، نہیں تو خاموش ہو رہیے، شاید ابھی اس کا وقت نہیں آیا۔

زبان کی نسبت کچھ کہنا فضول ہے۔ ظاہر ہے، عیاں ہے۔ ایک صاحب نے مجھ سے پوچھا کہ میں اچھی اردو سیکھنا چاہتا ہوں، کیا پڑھوں؟ میں نے کہا اگر تم صاف ستھری اور نکھری ہوئی اردو اور دلّی کی اصل زبان پڑھنا اور سیکھنا چاہتے ہو، تو خواجہ حسن نظامی صاحب کی تحریر پڑھو کہ زبان کے مزے کے ساتھ ساتھ دِلی کیفیات اور جذبات کا لطف بھی آئے اس میں کسے انکار ہو سکتا ہے؟

آج کل اپنی جہالت چھپانے یا اپنی علمیت جتانے کے لیے خواہ مخواہ بعض لوگ عربی فارسی ترکیبوں اور مشکل اور دقیق الفاظ کا بوجھ بے چاری اردو کی گردن پر ڈال دیتے ہیں کہ وہ اس کی متحمل نہیں ہوتی۔ یہ اردو کی ترقی نہیں، تنزلی ہے۔ کوشش یہ ہونی چاہیے کہ اردو سب میں مقبول ہو، مگر ان تحریروں سے وہ مردود ہوتی ہے۔ جو فصاحت سادگی میں ہے، وہ ان پیچیدہ اور مغلق تحریروں میں کہاں۔ یہ گُر کوئی خواجہ صاحب سے سیکھے۔

میں کچھ اور بھی کہنا چاہتا کہ عقل نے اجازت نہیں دی اور مصلحت نے قلم روک دیا اور کہا کہ ''بس''۔

عبدالحق

سی پارۂ دل

مصوّرِ فطرت شمس العلماء حضرت خواجہ حسن نظامیؒ

۱۱۳۲ البیلے مضامین کا دلکش مجموعہ

بقول بابائے اردو مولوی عبدالحق ''ان مضامین میں خواجہ صاحب کسی سے باتیں کرتے ہوئے معلوم ہوتے ہیں، کہیں وہ اپنے سے ہم کلام ہیں، کہیں راز و نیاز ہے،..... کہیں نثر میں وہ شاعری کی شان دکھائی ہے کہ نظم مقفّٰے ہیچ ہے، کہیں ذرّے کو آفتاب بنایا ہے اور کہیں آفتاب کو خاک۔ غرض عجیب گلدستہ ہے جس میں ہر رنگ کے پھول اور ہر پھول میں نئی خوشبو ہے۔''

سی پارۂ دل اپنی انہی گوناگوں خوبیوں کی وجہ سے لگ بھگ ایک صدی سے ہائی اسکول سے لے کر کالجوں اور یونیورسٹیوں کے نصاب میں شامل چلی آ رہی ہے۔ اردو میں اب تک دس ایڈیشن شائع ہونے کے بعد اب اسے ہندی رسم الخط میں بھی شائع کر دیا گیا ہے۔

ملنے کا پتہ

خواجہ حسن ثانی نظامی

خواجہ ہال، بستی حضرت نظام الدین اولیاء، نئی دہلی۔ ۱۳

©https://www.khwajahasanizamilife

© Khwaja Syed Mohammad Shafi Nizami

خود خواجہ صاحب

حضرت ملا محمد واحدی دہلوی

سیدی و مولائی حضرت خواجہ حسن نظامی کے مضامین کا مجموعہ (سی پارۂ دل) دوسری مرتبہ[1] شائع ہوتا ہے۔ پہلے ایڈیشن میں مضامین بھی کم تھے اور ترتیب بھی یوں ہی سی تھی۔ اس دفعہ کافی ترمیم ہوئی ہے کئی مضمون خارج کر دیے گئے اور ان سے کئی حصہ زیادہ اور اچھے اچھے مضامین شامل ہو گئے۔ درحقیقت پہلے مجموعے کو تو مجموعہ کہنا ہی ٹھیک نہ تھا، اب بے شک مجموعۂ مضامین کہلانے کا حقدار بن گیا ہے۔

محبی جناب مولوی شیخ محمد احسان الحق صاحب قادری میرٹھی نے اس مجموعہ کی ترتیب و تالیف میں جتنی محنت کی ہے اس کی تعریف کرنی چاہیے۔ ہم سب پر جو حضرت خواجہ صاحب کے ادبی و روحانی خوشہ چیں ہیں، اس قسم کی خدمتیں واجب و فرض ہیں۔ شیخ صاحب نے فرض ادا کر دیا ہے۔

میں اس موقع پر خود خواجہ صاحب کی ادبی شخصیت پر کچھ لکھنا چاہتا ہوں۔ میری ان کی پانچ برس مسلسل یکجائی رہی ہے اور میں نے جس قدر اخباری و لٹریری دنیا میں تعارف حاصل کیا ہے وہ اسی زمانے کی ہم نشینی کا پرتو ہے۔ اس لیے حضرت خواجہ صاحب کی اندرونی زندگی کا علم جیسا مجھے ہے، دنیا میں شاید کسی کو نہ ہوگا۔

دستور چلا آتا ہے کہ کتاب کے شروع میں مصنف کی سوانح عمری لکھ دیا کرتے ہیں، مگر حضرت خواجہ صاحب ''آپ بیتی حسن نظامی'' کے نام سے اپنے حالات خود لکھ رہے ہیں۔ سوانح عمری کا جو مزا اس کتاب میں ہوگا، دوسرے کی تحریر میں نہیں آ سکتا۔ لہٰذا میں صرف لٹریری زندگی کی تاریخ اور اسی موضوع کی تشریحات پر اکتفا کروں گا، جس سے حضرت خواجہ صاحب کی اس کتاب کو تعلق ہے۔

ابتدائی حالات

صرف اتنا بتا دینا ضروری ہے کہ حضرت خواجہ صاحب بستی درگاہ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاءؒ میں پیدا ہوئے، جو دہلی سے تین میل کے فاصلہ پر واقع ہے۔ انھوں نے مروجہ نصاب عربی کی تکمیل کی۔ جناب منشی غلام نظام الدین صاحب تاجر کتب دہلی کے فیض صحبت سے ادبی و اخباری میلان پیدا ہوا۔ حضرت خواجہ صاحب، خواجہ نظام الدین اولیاءؒ کے خواہرزادوں میں ہیں اور ان کی نشو و نما پیرزادگی میں ہوئی ہے۔ اگر منشی صاحب کی صحبت کا اثر نہ ہوتا تو اس قدرتی جوہر کا کھلنا جو خواجہ صاحب کی طبیعت میں ہے، یقیناً دشوار تھا، کیونکہ پیرزادگی موجودہ زمانے میں عموماً مغرور و خود پرست بنا دیتی ہے اور ہاتھ پاؤں چومنے والے معتقدین پیرزادوں کے دماغ بگاڑ دیتے ہیں۔ خواجہ صاحب فرمایا کرتے ہیں کہ منشی صاحب کا وہ ابتدائی جملہ مجھے ہمیشہ یاد رہے گا کہ ''دنیا میں چھوٹا اور انجان بننے سے کچھ ملتا ہے، بڑا اور دانا بننا انسان کو محروم کر دیتا ہے۔'' میں نے اس قول پر عمل کیا اور آج تک کبھی اس خیال کو پاس نہیں آنے دیا کہ میں کچھ ہوں، جس کے پاس گیا انجان اور طالب علم بن کر گیا۔ منشی صاحب کا یہ جملہ میری ادبی

[1] ملا واحدی صاحب نے ''سی پارۂ دل'' کے لیے جب یہ مضمون لکھا، اس وقت تک اس کتاب کے دو ایڈیشن ہی شائع ہوئے تھے۔ اس کے بعد ۲۰۰۴ء میں تو اس کا دسواں اردو ایڈیشن شائع ہوا اور اب نومبر ۲۰۱۱ء میں تو اس کتاب کا پہلا ہندی ایڈیشن بھی منظر عام پر آ گیا ہے۔ (ادارہ)

© https://www.khwajahasanmizamilife

© Khwaja Syed Mohammad Shafi Nizami

زندگی کی بنیاد ہے۔

حضرت خواجہ صاحب نے سب سے پہلے جو اخبار دیکھا وہ مراد آباد کا ایک ہندو اخبار ''ہمدرد'' تھا۔ فرماتے ہیں اس سے پہلے مجھے معلوم نہ تھا کہ اخبار کیا چیز ہوتی ہے۔ سب سے پہلے، جس اخبار میں مضمون لکھا، وہ بمبئی کا ''انڈیا گزٹ'' تھا، جس کو لاہور کے حکیم غلام محی الدین صاحب نکالتے تھے۔ پہلے مضمون کا عنوان تھا ''انڈیا کی نازک حالت'' اور اس میں قحط کی پریشانیوں کو بیان کیا گیا تھا۔

منشی غلام نظام الدین صاحب کتابوں کے سوداگر تھے۔ انھوں نے خواجہ صاحب کو مولانا شرر کے ناول دیے، جن کو پڑھ کر خواجہ صاحب کو انشا پردازی کا چسکا لگا۔ فرماتے ہیں کہ شمس العلماء مولانا محمد حسین آزاد اور مولانا شرر کی تحریریں میری لفظی استاد ہیں اور فطرت، استاد معنوی۔ ان تحریروں سے میں نے مضامین کی بندش سیکھی اور فطرت و مشاہدۂ قدرت نے معنوی اثر عنایت کیا۔ خواجہ صاحب کا ارشاد ہے کہ یہ حال شروع زمانے کا ہے، جسے آج بیس برس سے زیادہ ہو گئے۔ بعد میں جو ترقی کی وہ مولانا سید اکبر حسین صاحب جج الہ آبادی کی صحبت کا فیض ہے، جن کے ساتھ سال میں کئی مرتبہ یکجائی کا موقع نکالتا تھا اور ان کے کلام پر دوسروں سے جداگانہ نظر ڈالتا تھا۔ خواجہ صاحب تو یہاں تک مبالغہ فرماتے ہیں کہ مجھ میں اگر کسی کو کچھ آدمیت نظر آئے تو سمجھ لینا کہ وہ جناب اکبر کا عکس ہے۔ میری ذاتی نہیں ہے۔

ادبی حیثیت سے دیکھا جائے تو وسطی اور آخری زمانے کے مضامین سے واقعی وہی شوخی و بیباکی اور نرالا پن ٹپکتا ہے، جو جناب اکبر کی نظموں کی صفت مخصوص ہے۔

مقصد مضامین نویسی

حضرت صاحب پیرزادے ہیں اور خود صاحب سلسلہ و ارشاد ہیں، انھیں طبیعت کی موزونی ورثہ میں ملی ہے، کیونکہ تمام صوفیائے کرام اسرار تصوف کو ہمیشہ اشعار کی رنگینی اور لٹریچر کی تاثیر میں بیان کرتے آئے ہیں، خواجہ صاحب شاید پہلے صوفی ہیں، جنھوں نے نثر میں تصوف کے ولولے اور جذبات کو نظم کے انداز سے بڑھ کر لکھا۔ وہ شعر نہیں کہتے لیکن بعض مضامین میں قافیہ بندی کی شان گواہی دیتی ہے کہ وہ کوشش کرتے تو بہت بڑے شاعر بن سکتے تھے۔ علامہ شبلی مرحوم سچ فرمایا کرتے تھے کہ خواجہ صاحب نثر میں ایسی بے نظیر شاعری کرتے ہیں، جس کا اثر آج کل کی نظموں میں بہت کم پایا جاتا ہے۔

خواجہ صاحب کی مضامین نویسی کا صرف ایک مقصد ہے، اور وہ تصوف کی اشاعت ہے۔ وہ فرمایا کرتے ہیں کہ میں نے جتنی بھی خامہ فرسائی کی ہے، وہ محض اس لیے کی ہے کہ نئی روشنی کے لوگ جو صوفیوں کی پرانی کتابیں نہیں پڑھتے یا ان کتابوں کے قدیمی طرز تحریر کے سبب تصوف ہی سے غیر مانوس ہوتے جاتے ہیں، وہ میرے نئے انداز تحریر سے ادھر راغب ہوں اور کیف روحانی سے فائدہ اٹھائیں۔ چنانچہ اس میں حضرت خواجہ صاحب کو بڑی کامیابی ہوئی ہے اور آج ہزاروں انگریزی تعلیم یافتہ تصوف کے دلدادہ ہیں۔ یہ محض حضرت خواجہ صاحب کی تاثیر قلم کا طفیل ہے۔

ملک میں جس قدر صوفیانہ رسالے نکلتے ہیں، جن میں نظام المشائخ، صوفی، اسوۂ حسنہ، طریقت، انوار الصوفیہ اور معارف زیادہ ممتاز ہیں، سب ظاہری یا اخلاقی طور پر خواجہ کی تحریروں کی پیداوار ہیں۔ سب سے پہلے حضرت خواجہ صاحب نے صوفیانہ رسالہ ''نظام المشائخ'' جاری کیا تھا۔ بعد میں اس کے اثر سے اور رسالے نکلنے لگے۔

خواجہ صاحب کی تحریر میں غالب مقصد تصوف ہے۔ اس کے علاوہ غریبوں، شریفوں، محتاجوں اور بیکس لوگوں کی نسبت جو

© https://www.khwajahasannizamiindia.com

© Khwaja Syed Mohammad Shafi Nizami

کچھ لکھا ہے، وہ بھی درحقیقت تصوف ہی کی ایک شاخ ہے۔ ان تحریروں کو بھی تصوف کے تحت رکھ کر پڑھنا چاہیے۔

سیاسی مضامین جس قدر خواجہ صاحب کے قلم سے نکلتے ہیں، ان میں سیاست مقصود بالذات نہیں ہے، بلکہ مذہب اور مظلوموں کی حمایت کرتے وقت، جو ایک جزو تصوف ہے۔ خواجہ صاحب نے ایسا لکھا، جس کو حکومت نے سیاسی سمجھا اور خواجہ صاحب کو اس سے کچھ تکلیف مالی و جسمانی کا مقابلہ کرنا پڑا۔

سب قوموں اور فرقوں سے یکساں محبت کرنا تصوف کا مشہور اصول ہے۔ خواجہ صاحب کے مضامین میں یہ وصف بھی جگہ جگہ نمایاں نظر آتا ہے۔

مسئلہ وحدت وجود کے بیان میں متقدمین نے چند مثالوں اور تشبیہات کو مخصوص کر لیا تھا، جو شخص کچھ لکھتا، وہ انہی مثالوں کو پیش کرتا تھا۔ حضرت خواجہ صاحب کی یہ جدت صدیوں زندہ رہے گی کہ انھوں نے ہزاروں نئی تشبیہات اس مسئلہ کی تشریح کے لیے اردو میں پیدا کر دی ہیں۔ یہ مثالیں خواجہ صاحب کے زمانہ میں تو محض ادبی لطائف تصور کی جاتی ہیں، مگر ایک وقت آئے گا جب کہ صوفیائے کرام انہی مثالوں پر اپنے درس وارشاد کی بنیاد رکھیں گے۔

اگلے صوفی شعرا نے خصوصاً حضرت جامی نے نعت گوئی میں سوز و گداز کی بڑی بڑی موثر تحریریں یادگار چھوڑی ہیں۔ مگر حضرت خواجہ صاحب جس انداز سے نعت لکھتے ہیں وہ اردو کیا، کسی زبان میں اپنی مثل نہیں رکھتی۔ خواجہ صاحب شوق اور درد کو مجسم بنا کر پیش کرتے ہیں اور مسلمانوں کے دل میں اپنے رسول کی محبت کو ایسا بھڑکاتے ہیں کہ سنگ دل سے سنگ دل آدمی بھی حب رسولؐ میں آنسو بہائے بغیر نہیں رہتے۔ ان دونوں باتوں کا ثبوت، جن کو میں نے یہاں لکھا ہے، ناظرین اس کتاب میں دیکھ سکتے ہیں اور فیصلہ کر سکتے ہیں کہ آیا وحدت اور نعت میں اس سے زیادہ موثر کوئی تحریر ان کی نظر سے گزری ہے؟

بندے اور خدا کے راز و نیاز، شوخیاں، گستاخیاں اور مستی سے بھری ہوئی محبت خواجہ صاحب سے پہلے شاید ہی کسی کے قلم سے اتنی زیادہ نکلی ہوں بلکہ میرا تو خیال ہے کہ اس عجیب پیرائے سے شاید پہلے کسی نے بھی نہیں لکھا۔ خواجہ صاحب کی تحریر سے بندے کے دل میں اپنے خالق کے ساتھ خوف کی مجبورانہ محبت نہیں بلکہ خالص یگانگت و یکسوئی کا تعلق پیدا ہوتا ہے اور یہی تصوف کا حاصل مطلب ہے۔

اثر اور نرالا پن

خواجہ صاحب کی تحریر میں جو اثر اور نرالا پن ہے، اس کی بہت سی وجوہات ہیں۔ ایک وجہ یہ ہے کہ خواجہ صاحب صرف وہی لکھتے ہیں، جو ان کے دل پر طاری ہوتا ہے۔ آورد میں دل چھینے کی طاقت کبھی نہیں دیکھی، یہ آمد ہی ہے جو پہاڑوں کو موم کر دیتی ہے۔

دوسرے وہ نہایت عام فہم اور سیدھے سادے پیرائے میں لکھتے ہیں۔ تیسرے، جن واقعات و حالات پر وہ لکھتے ہیں، وہ بجائے خود طبیعتوں کو کھینچنے والے ہوتے ہیں اور جب خواجہ صاحب کے قلم سے ادا ہوں تو ان میں چار چاند لگ جانے عجیب نہیں ہیں۔ مثلاً تیموری شہزادوں کی دردناک حالتیں خود ایسی ہیں کہ معمولی طور پر بھی کوئی بیان کرے تو سننے والا اشکبار ہو جاتا ہے۔ خواجہ صاحب نے جب ان کو لکھا تو قیامت ڈھا دی۔ میں نے دیکھا کہ پڑھنے والے یہ مضامین پڑھ کر بے قابو ہو جاتے ہیں اور سنجیدہ سنجیدہ اشخاص بچوں کی طرح پھوٹ پھوٹ کر رونے لگتے ہیں۔ خود خواجہ صاحب کو دیکھا ہے کہ اپنے مضمون کو پڑھتے ہیں اور زار و قطار روتے ہیں۔

چوتھی وجہ نرالے پن کی یہ ہے کہ خواجہ صاحب ہر مضمون

©https://www.khwajahasanmizamilife

© Khwaja Syed Mohammad Shafi Nizami

میں سب سے زیادہ غور عنوان پر کرتے ہیں۔ بعض اوقات جب انھیں کوئی خاص مضمون آورد سے لکھنا ہوتا ہے تو گھنٹوں، بلکہ دو چار دفعہ میں نے دیکھا کہ تین تین روز صرف عنوان سوچنے میں انھوں نے لگا دیے اور جب تک نرالا عنوان ہاتھ نہ آیا مضمون نہ لکھا۔

ایک دفعہ میں نے ہنسی میں ان سے کہا، جبکہ وہ فکرِ عنوان میں بہت چپ چپ تھے کہ سارے جہان میں خواہ مخواہ آپ کی انشا پردازی مشہور ہوگئی ہے، کوئی دیکھے کہ تین دن سے ایک عنوان آپ کے ذہن میں نہیں آیا تو یہی کہے کہ ان کو خاک لکھنا نہیں آتا۔ خواجہ صاحب اس گستاخی کو بھی پی گئے اور اپنی فکر میں لگے رہے اور جب عنوان ذہن میں آگیا تو مضمون انھوں نے دو گھنٹے میں لکھ دیا اور فرمایا کہ شہرت اسی بات کی ہے کہ میرے عنوان نرالے ہوتے ہیں۔ میں مضمون سے زیادہ عنوان کو ضروری سمجھتا ہوں۔ میری کوشش ہوتی ہے کہ عنوان سے سارا مضمون سمجھ میں آجائے، اس پر طرہ یہ کہ مختصر ہو، نظر کش ہو اور تقلید سے آزاد ہو۔

خواجہ صاحب مقلد ہیں اور حنفی مشرب رکھتے ہیں، لیکن انشا پردازی میں تقلید سے ان کو اتنی چڑ ہے کہ پانچ برس کی یکجائی میں میری ان کی جب کبھی بدمزگی ہوئی تو اکثر اسی بات پر کہ وہ دوسرے لکھنے والوں کی تقلید سے خلاف قدرت گریز کرنا چاہتے تھے اور مجھے یہ تاکید ہوتی تھی کہ کسی اچھے یا بُرے طرز کی پیروی نہ کروں، خود کوئی بات نکالوں، لیکن یہ بات میرے امکان میں نہیں تھی اور نہ میں ان کو اتنا ضروری سمجھتا ہوں، جتنا خواجہ صاحب سمجھتے ہیں۔

ان کا فرمانا ہے کہ وہ لوگ اردو کے دشمن ہیں، جو اس میں عربی و سنسکرت کے موٹے موٹے الفاظ، جن کو عوام نہیں سمجھ سکتے، داخل کرتے ہیں اور وہ لوگ احمق یا سرمایۂ زبان سے جیب خالی ہیں، جو ان کی پیروی کرتے ہیں۔ وہ فرماتے ہیں کہ اپنی لیاقت جتانے کو ایسی اردو لکھنی، جس میں دو حصے عربی ہو۔ اردو کے گلے پر کند چھری پھیرنی ہے۔ ایسی عبارتوں کے پڑھنے سے کم مایہ طبیعتیں اردو سے گھبرا جاتی ہیں اور اس کو مشکل زبان سمجھنے لگتی ہیں۔ حالانکہ حامیان اردو کا فرض ہونا چاہیے کہ اسے عام پسند بنائیں۔

خواجہ صاحب نے اردو میں جو نئی راہ نکالی ہے، جس کا ہر انشا پرداز کو اقرار ہے، اس کا راز یہی غیر مقلدی ہے۔ ایک بات کسی شخص نے ایک پیرایہ سے بیان کی اور خواجہ صاحب کو منظور ہوا کہ اس کی تائید کریں تو وہ کبھی اس کے بیان کردہ پیرایہ کی نقل نہیں کریں گے، بلکہ ایک ایسے انداز کی تلاش میں رہیں گے، جو سابق لکھنے والے سے علاحدہ ہو اور بالکل ایک نئی مستقل بات بن جائے۔ اس کوشش میں وہ ہفتوں مصروف رہتے ہیں اور مضمون نہیں لکھتے جب تک جدت ان کے قبضہ میں نہ آجائے۔

صوفیوں کے اصولی یکسوئی خیال کو وہ مضامین نویسی میں ہمیشہ ملحوظ رکھتے ہیں، یعنی جب کوئی مضمون لکھنا ہوتا ہے تو پہلے اسے کچھ دیر خاموش رہ کر خیال میں جماتے ہیں اور پھر بیٹھ کر آن کی آن میں جھٹ پٹ لکھ ڈالتے ہیں۔ جتنی دیر خیال کے اندر مضمون کو یکسو کرنے میں لگتی ہے، اتنی دیر لکھنے میں نہیں لگتی۔

ایک وجہ اثر اور نرالے پن کی اور بھی ہے کہ خواجہ صاحب وقت شناس ہیں۔ جب کوئی بات خلقت کی طبائع پر مسلط ہوتی ہے تو خواجہ صاحب اس بات کو بالکل پبلک کے احساس کے مطابق مضمون میں ادا کر دیتے ہیں اور خلقت اس سے قدرتاً بے حد متاثر ہوتی ہے۔ یہ ملکہ ہر شخص میں نہیں ہوا کرتا۔ فطرت کے مطالعہ اور قدرت کے نظاروں کی محویت اور کچھ خداداد ذہانت سے یہ چیز میسر آتی ہے۔ خواجہ صاحب کے مضامین کی تاریخ لکھی جائے تو اس میں کا بیشتر حصہ ایسا نکلے گا، جس سے معلوم ہوگا کہ اس میں کا ہر مضمون اپنے وقت پر ہندوستان میں بڑی ہلچل ڈال چکا ہے۔

© https://www.khwajahasanmizamiinfo

© Khwaja Syed Mohammad Shafi Nizami

یہ نوعیت جناب اکبر الہ آبادی سے بہت ملتی جلتی ہے، وہ بھی کسی ایسے واقعہ کو نہیں چھوڑتے، جس کا پبلک میں زیادہ چرچا ہوا، بلکہ یہ کہنا چاہیے کہ سوائے ایسی موثر باتوں کے اور کسی چیز کو چھوتے ہی نہیں۔

یہ کچھ غیبی بات ہے کہ فطرت یکا یک کسی بات پر توجہ دلاتی ہے۔ دہلی میں ایک دفعہ شدید گرمی کے موسم میں نل بند ہو گئے اور خلقت ایسی پریشان ہوئی کہ قیامت کا مزا آ گیا۔ رات کے وقت خواجہ صاحب کچھ لکھنے بیٹھے، میں نے منع کیا کہ گرمی میں لیمپ کے آگے نہ بیٹھیے، مگر وہ ایسے محو تھے کہ میرے کہنے کو سنا ہی نہیں۔ پندرہ منٹ کے بعد ایک مضمون تیار کر لائے، جس میں نلوں کی بندش پر ایک بڑے لطف کا صوفیانہ نوٹ تھا۔ میں نے راتوں رات اس کو لکھوا کر بصورت اشتہار چھپوایا اور صبح تمام شہر میں چسپاں کرا دیا۔ پھر تو یہ کیفیت تھی کہ دہلی میں ایسے شوق سے آج تک کوئی اشتہار نہیں پڑھا گیا، جیسا کہ یہ۔ ہر اشتہار کے آگے چار سو پانچ سو آدمیوں کا ہجوم تھا اور راستے بند ہو گئے تھے۔

خواجہ صاحب نے اس مضمون میں یاد دلایا تھا کہ اگر خدا پانی کے چشمے خشک کر دے تو کون تم کو پانی دے اور تمھارا کیا حال ہو، جبکہ تم ایک دن میں ایسے پریشان ہو گئے۔ ان کا اشتہار اس آیت پر تھا جو قرآن پاک کے انیسویں پارے کی سورۂ ملک میں ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ اگر تمھارا پانی زمین کی تہہ میں سوکھ جائے تو کون اس کو اوپر لا کر بہائے۔ اس کی تفسیر ایسے دل کش انداز سے کی تھی کہ ہندو مسلمان یکساں جھومتے تھے۔

خواجہ صاحب نے اس قسم کے سینکڑوں اشتہار لکھے ہیں، مگر افسوس کہ اس مجموعہ کی ترتیب کے وقت وہ ناپید ہو گئے ہیں، ورنہ ناظرین دیکھتے کہ فطرت کے اس فوٹو گرافر نے اپنے وقت میں کیا کیا کام کیے اور معمولی معمولی باتوں کو کیسے چار چاند لگائے ہیں۔

نرالے پن کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ ابتداء سے خواجہ صاحب کی نظر بے حقیقت اشیاء پر جاتی تھی اور یہ وہ چیزیں تھیں، جن کو اچھا لکھنے والوں نے اپنی بلند نظری کے سبب نظروں سے گرا دیا تھا۔ خواجہ صاحب نے انہی کو اٹھایا اور چونکہ عوام کے طبائع کے لیے یہ بڑی کشش دار چیز تھی، اس واسطے ہر دل میں ان کا گھر بن گیا۔

دلچسپ جزئیات

اب میں نہایت معمولی باتوں کو اپنے حضرت کی پیروی میں لکھتا ہوں جو اوّل اوّل تو معمولی معلوم ہوتی ہیں، مگر آخر میں انہی سے کیرکٹر کا پتہ چلایا جاتا ہے۔ خواجہ صاحب بہت نحیف البدن اور دائم مریض رہنے والے ہیں۔ کوئی شخص ان کو دیکھے تو کبھی خیال نہیں کرے گا کہ وہ ایک وقت اور ایک نشست میں بیٹھے بیٹھے ایک رسالہ دو جزو کا لکھ سکتے ہیں۔ حالانکہ دیکھا گیا اور بارہا دیکھا گیا کہ انھوں نے ایسا کیا۔ خواجہ صاحب کی قلم دوات کبھی صاف ستھری نہیں رہتی نہ ان کو مضمون لکھنے میں اچھے کاغذ کی تلاش ہوتی ہے، جہاں وہ لکھتے پڑھتے ہیں وہاں اس قدر پراگندہ کاغذات اور چیزوں کا ڈھیر ہوتا ہے کہ آدمی دیکھ کر گھبرا جائے، مگر خواجہ صاحب اس کوڑے کرکٹ میں بیٹھے لکھا کرتے ہیں۔ ان کو مضامین تین حالتوں میں زیادہ سوجھتے ہیں ایک گانے (سماع) میں، دوسرے تھیٹر میں، تیسرے کسی عاشق یا آشفتہ حال کو دیکھنے میں۔ تھیٹر کا تماشہ بہت دیکھتے ہیں اور کبھی ایسا نہیں ہوا کہ انھوں نے تماشہ دیکھ کر کوئی مضمون نہ لکھا ہو۔ یہ مضمون نفس تماشہ پر نہیں ہوتا بلکہ تماشے سے متاثر ہو کر کسی نئے خیال پر خامہ فرسائی کرتے ہیں۔ بارہا ایسا ہوا ہے کہ تماشہ میں میں ساتھ ہوں اور خواجہ صاحب بجائے لطف لینے کے تماشے میں غمگین و افسردہ ہو گئے حالانکہ تماشے میں کوئی بات غم کی نہیں تھی۔ گھر آ کر میں سو گیا اور خواجہ صاحب صبح تک کچھ لکھتے رہے ''عرب شہید کا گھر'' تبریزی

© https://www.khwajahasanmizamilife

© Khwaja Syed Mohammad Shafi Nizami

یتیم کی آہ" وغیرہ مضامین اسی طرح لکھے گئے ہیں، جن کو لکھ کر خواجہ صاحب رات بھر پڑھتے اور روتے رہے اور صبح کر دی۔ بعض اوقات میں نے دیکھا کہ وہ آدھی رات کو یکا یک بیدار ہو کر لکھنے لگے۔ پوچھا تو فرمایا کہ کل شام کو فلاں بات نے متاثر کیا تھا۔ اب خود بخود آنکھ کھل گئی اور اس کے لکھنے پر طبیعت مجبور ہوئی۔

خواجہ صاحب بڑے حاضر دماغ انسان ہیں۔ بعض اوقات بے شک وہ بغیر تخیلہ اور تنہائی کے کچھ نہیں لکھ سکتے مگر عام طور پر وہ مجمع میں باتیں کرتے جاتے ہیں اور لکھتے جاتے ہیں۔ ایک دفعہ میں نے امتحان لیا رات کا وقت تھا بہت سے لوگ جمع تھے میں نے سوچا کہ خیال میں جمائے بغیر خواجہ صاحب کچھ نہیں لکھ سکتے اس واسطے فرمائش کی کہ اس مجمع میں کچھ لکھیے اور میرے بتائے ہوئے عنوان پر لکھیے۔ شرط یہ ہے کہ دو چار آدمی باہم باتیں بھی کرتے جائیں گے۔ خواجہ صاحب نے ہنس کر اس کو قبول کیا اور لالٹین عنوان قرار پایا۔ آپ نے فرمایا میں بولتا جاتا ہوں ایک آدمی لکھتا جائے۔ تم سب آپس میں باتیں کرو۔ چنانچہ ۲۵ منٹ میں خواجہ صاحب نے ایک طویل اور نہایت دلچسپ معنی خیز مضمون لالٹین پر لکھوا دیا، جو شاید اس کتاب میں بھی ہو۔ فرمائشی مضمون نویسی سے ان کو نفرت ہے، مگر موقع آجاتا ہے تو اس کی تعمیل بھی خوب کر دیتے ہیں۔ ایک دفعہ میں نے عرض کیا کہ کاپی نویس بیکار بیٹھے ہیں بڑا حرج ہو رہا ہے، جلدی چھ صفحے کا مضمون دیجیے۔ فرمایا پانوں کی ڈبیہ منگاؤ اور دروازے پر بیٹھ کر آنے والوں کو روکو۔ میں نے تعمیل کی۔ آدھ گھنٹے میں نقطہ کے عنوان سے چھ صفحے لکھ کر دے دیے۔

اب خواجہ صاحب مضمون لکھنے میں پان بے حد کھاتے ہیں۔ پان جب تک پاس نہ ہوں مضمون ادا کرنے میں دشواری ہوتی ہے۔ باجہ بج رہا ہو تو وہ دور بیٹھ کر بہت اچھا مضمون لکھ لیتے ہیں۔ انھوں نے گراموفون محض مضمون لکھنے کی خاطر خریدا ہے۔ دوسرا آدمی اس کو بجاتا جاتا ہے اور وہ مضمون لکھتے جاتے ہیں۔ خواجہ صاحب کا شہرۂ آفاق مضمون "کہو تکبیر" جو ضبط ہو گیا اور اب اس کے شائع ہونے کی ممانعت ہے اور کانپوری مسجد کے معاملہ میں لکھا گیا تھا اور جس کے ترجمے عربی و ترکی اخبارات نے شائع کیے تھے اور جواب تک ہندوستان میں سیکڑوں آدمیوں کو حفظ ہے، اسی طرح لکھا گیا تھا۔ میں نے سنا ہے کہ خواجہ صاحب نے سحری کے وقت گراموفون بجوایا تھا اور اس وقت یہ لکھا تھا۔ یہ واقعہ میرٹھ کا ہے جب کہ خواجہ صاحب اخبار "توحید" کی ایڈیٹری کرتے تھے اور میرٹھ میں مقیم تھے۔

علمی مضامین بھی وہ خوب لکھ سکتے ہیں، مگر ان کا قول ہے کہ ہمارے مخاطب جاہل لوگ ہیں۔ ہم کو ان کی زبان میں بات کرنی ہے، پڑھے لکھے لوگوں کو سمجھانے کے لیے ہزاروں پڑھے لکھے عالم فاضل لکھنے والے موجود ہیں، مگر ان غریبوں کا کوئی نہیں۔ وہ غم کے مضامین بہترین لکھتے ہیں۔ ظرافت میں بھی ان کے قلم کو بہت قدرت ہے۔ اخبار "خطیب" میں گدگدیوں اور چٹکیوں کے عنوان سے مہینوں انھوں نے ایسی ظریفانہ عبارتیں لکھی ہیں، جو اپنی شان میں سب سے نرالی ہیں اور جن کو پڑھ کر بے اختیار ہنسی آتی ہے۔ خواجہ صاحب کا قلم کسی مضمون میں بند نہیں ہے وہ ہر مبحث میں صوفیانہ نکتہ نکال لیتے ہیں۔ چنانچہ میرے اخبار طبیب میں انھوں نے علم طب پر ایسے ایسے صوفیانہ مضامین لکھے ہیں، جن کی طبقہ اطبا میں دھوم مچ گئی۔ ایک مضمون خیال میں آئے اور اس کو نہ لکھ سکیں تو خواجہ صاحب بیمار ہو جاتے ہیں۔ وہ مضمون لکھ کر مسودہ کو صاف یا نقل نہیں کر سکتے اور کہتے ہیں کہ نقل کرنا مشکل، دوسرا تیار کرنا آسان۔ اردو ترقی کرتی رہی تو وہ وقت دور نہیں کہ خواجہ صاحب کے مضامین پر بڑی بڑی لیاقت والے مجھ سے زیادہ لکھیں گے۔

(سید محمد ارتضیٰ ملا واحدی دہلوی)

© https://www.khwajahasanmizamilife

© Khwaja Syed Mohammad Shafi Nizami

مصوّرِ فطرت حضرت خواجہ حسن نظامیؒ

ابوالخیر کشفی

اردو نثر نے ہمارے زمانہ میں ہمہ جہتی ترقی کی نئے اسالیبِ بیان اختراع کیے، نئے موضوعات اور نئے تجربے سامنے آئے، لیکن آج کے اُردو ادیبوں کی تحریروں کو پڑھتے ہوئے مجھے عموماً یہ احساس ہوتا ہے کہ ان کی زبان کتابی ہے، اس زبان میں زندگی اور روایات کا رس نہیں — محاورہ اور روزمرہ ادبی زبان کے لیے غیر ضروری یا خارجی عناصر نہیں، بلکہ معاشرے کے صدیوں کے تجربات کا خزانہ اور زبان کا وقار اور اس کی اندرونی زندگی کا ثبوت ہوتے ہیں۔

خواجہ حسن نظامی کی تحریروں نے ہماری زبان کی نئی نئی صلاحیتوں کو اجاگر کیا۔ ان کی تحریر بیرونی اثرات سے بے نیاز خالص اندرونی پیداوار اور زبان کی قدرت ارتقاء کا ثبوت تھی۔ ان کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ وہ اپنے طرز کے تنہا نمائندے تھے۔ اسی لیے خواجہ حسن نظامی کی موت ایک اسلوب بیان کی موت ہے۔ حسن نظامی کی نثر ایک تہذیب و تمدن کی آواز تھی۔ اگر آپ ان کی نثر آہستہ آہستہ بھی پڑھیں تو ایک آواز سی سنائی دے گی۔ متین اور دھیمی آواز اور اس آواز کے ساتھ ساتھ دو چمکتی ہوئی آنکھوں کا وجود پڑھنے والے کے لیے حقیقت بن جائے گا۔ حسن نظامی اس آواز اور دو چمکتی ہوئی آنکھوں کا نام ہے۔

میرے ایک بزرگ جو ادب کے بڑے مبصر اور زندگی کے سیاح ہیں، کہتے تھے کہ اگر مجھ کو کسی تنہا جزیرہ میں قید کی سزا دی جائے تو میں اپنے ساتھ صرف سعدی کی گلستاں لے جاؤں گا اور اپنی قید تنہائی کو انسانی زندگی کی وسعتوں میں بدل دوں گا۔ میرا گذارہ شاید کسی ایک کتاب سے نہ ہو سکے، لیکن مجھ سے اردو کے کسی ایک ادیب کے انتخاب کے لیے کہا جائے تو میں خواجہ حسن نظامی کا نام لوں گا۔ سعدیؒ اور خواجہ حسن نظامیؒ کے درمیان مجھے بہت مشترک باتیں ملتی ہیں۔ زندگی کے کاروبار اور نشیب و فراز پر دونوں کی نظر ہمہ گیر تھی۔ دونوں نے اخلاق اور ادب کو اس طرح ایک جان رکھا کہ ایک کو دوسرے سے تقویت رہی۔ یہ کرشمہ دنیائے ادب میں نہایت کمیاب ہے اور غور کیجیے تو تیسرا نام اس فہرست میں بڑھانا مشکل ہوگا۔

خواجہ حسن نظامیؒ کا سب سے بڑا ادبی کارنامہ یہ ہے کہ انھوں نے اردو میں انشائے لطیف (Essay) کی روایت کو آگے بڑھایا اور اسے مستقل حیثیت عطا کی۔ میرے نزدیک اردو میں انشاء کی باضابطہ ابتداء عبدالحلیم شرر سے ہوتی ہے، لیکن خواجہ حسن نظامی نے اپنی منفرد شخصیت کے زور اثر سے اس میں ایسا جادو بھرا کہ وہ تنہا اپنے سہارے کھڑی رہ سکی۔ آج ہمارے نقادوں کو اس بات کی شکایت ہے کہ اردو میں خالص انشاء کے نمونے نہیں ملتے۔ اردو میں کوئی چارلس لیمب یا ولیم ہیزلٹ نہیں جو پیدل چلنے یا ہوٹلوں میں کھانا کھانے یا نئے سال کی شام پر غیر فانی ادب پارہ تحریر کر دے۔ جو یہ دعویٰ کر سکے کہ وہ شہر کی مکھی کو اپنے مطالعہ کا موضوع بنا کر زندگی کے اسرار و رموز کی نقاب کشائی کر سکتا ہے۔ یہ شکایت بڑی حد تک درست ہے، کیونکہ نئے ادیبوں میں کرشن چندر، منٹو، ممتاز مفتی اور ابراہیم جلیس کے علاوہ شاید کسی ادیب نے مضمون نگاری کو ایک علاحدہ صنف کے طور پر نہیں برتا۔ اگر شرر، فرحت اللہ بیگ، حسن نظامی، پیر ناصر علی اور فلک پیما کی طرح ہمارے نئے ادیب بھی اس صنف ادب کی طرف توجہ کریں

©https://www.khwajahasanmizamilife

© Khwaja Syed Mohammad Shafi Nizami

تو اس میدان میں ابھی بڑی گنجائش ہیں۔

حسن نظامیؒ میرے خیال میں اردو کے سب سے بڑے مضمون نگار ہیں، ان کا قلم جھینگر کی موت اور مچھر کی بھنبھناہٹ کو بھی ادب میں ڈھال سکتا تھا۔ چھوٹی چیزوں پر لکھنے کے لیے وسیع زاویۂ نظر ضروری ہے تاکہ تحریر محض ایک لمحۂ گزراں کی طرح ہنگامی نہ ہو، بلکہ پس منظر میں بڑی حقیقتوں کا شعور بھی مل سکے۔ خواجہ حسن نظامی ولیم میزلٹ کی طرح کبھی ادبی حوالوں کا سہارا نہیں لیتے۔ ان کی بائبل تو یہ رواں دواں زندگی ہے۔ ان کی عظمت کی دوسری بنیاد ان کا اسلوب ہے اور یہ اسلوب ہی ان کی شخصیت ہے۔ محض معلوماتی کتابیں زندہ نہیں رہتیں، بلکہ وہ کتابیں یا تحریریں دوام حاصل کرتی ہیں، جو کسی شخصیت کی آئینہ دار ہوتی ہیں۔ اسی لیے آج مولوی ذکاء اللہ کی تاریخ ہند کوئی نہیں پڑھتا اور ''فسانۂ آزاد''، ''توبۃ النصوح'' اور ''نیرنگ خیال'' جیسی کتابیں وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ نئی معنویت حاصل کر لیتی ہیں۔

خواجہ حسن نظامیؒ کی شخصیت اتنی مستحکم ہے اور ان کی آواز میں اتنی وسعت ہے کہ ہر موضوع ایک ہی لہجہ میں ڈھل جاتا ہے، ان کی ہر تحریر میں ہم ان کی شخصیت کو دیکھتے ہیں اور پھر اس شخصیت کی قربت ہمیں زندگی سے اور قریب کر دیتی ہے، حسن نظامی کی تحریریں پڑھ کر ہم زندگی سے کچھ اور محبت کرنے لگتے ہیں، یہ ''بات خطوط غالب'' کے سوا اردو نثر میں حسن نظامی کے سوا کہیں اور مشکل سے ملے گی۔ کسی کی بیماری کی تفصیلات پڑھنا بھلے آدمیوں کے بس کی بات کہاں، لیکن غالب اپنی کھانسی، اپنے رعشہ، اپنے قویٰ کے اضمحلال اور کھری چارپائی کا بار بار ذکر یوں کرتے ہیں کہ زندگی پر ان کی گرفت کہیں ڈھیلی نہیں پڑتی۔ حسن نظامی کے روزنامچوں میں بھی ہر دن کی معمولی باتیں ہیں۔ سفر، لوگوں سے ملاقات، مریدوں سے گفتگو..... لیکن وہ انھیں شخصی باتوں میں ایسی انسانی دلچسپی پیدا کر دیتے ہیں کہ ان باتوں میں دوسروں کی حیات معاشقہ کی کہانیوں سے زیادہ آب و رنگ نظر آتا ہے۔

حسن نظامیؒ الفاظ کے انتخاب میں علمیت کی جگہ اس بات کا خیال رکھتے ہیں کہ ان میں زندگی کی انھیں عام باتوں کی جھلک ہو، وہ اپنے مشاہدوں کو ہمارے سامنے پیش کرتے ہیں اور اسی لیے ان کے الفاظ میں خطوط یا رنگوں کی کیفیت ہوتی ہے، ان کی سادگی ''آفتابی'' ہے اور اس سفید رنگ میں کتنے ہی رنگ مضمر ہیں۔ حسن نظامی نے جامع مسجد کی سیڑھیوں پر اخبار بیچے ہیں، وہیں مختلف پیشہ والوں کے ساتھ بیٹھ کر وہ باتیں بھی کرتے ہوں گے۔ انھوں نے بیگمات سے وہ زبان بھی سنی جو کبھی قلعۂ معلیٰ میں بولی جاتی تھی۔ انھوں نے چاندنی چوک میں اس پنواڑی کی آوازیں سنیں جو پان بیچتے ہوئے ادب بولتا تھا، جو اپنے پان کو سہاگ رات کا ہمدم اور ہجر کی راتوں کا رفیق کہتا تھا اور جسے پان کی سرخی میں سہاگ رنگ نظر آتا تھا۔ خواجہ حسن نظامی کی تحریروں میں یہ سب عناصر بار بار جھلک اٹھتے ہیں۔ خواجہ صاحب جو الفاظ چنتے ہیں ان میں بڑی ہم آہنگی ملتی ہے۔ وہ تو حروف کے صوتی آہنگ کے منتر سے بھی آگاہ تھے۔ وہ ''م'' اور ''ن'' یا ''ث'' اور ''ص'' اور ''س'' اور ''ز'' کی نغمگی اور باہمی رشتہ سے گہری واقفیت رکھتے تھے۔ ان کی تحریروں میں اکثر یہ نغمگی ابھرتی اور ڈوبتی موجوں کی طرح ملتی ہے۔ مثلاً

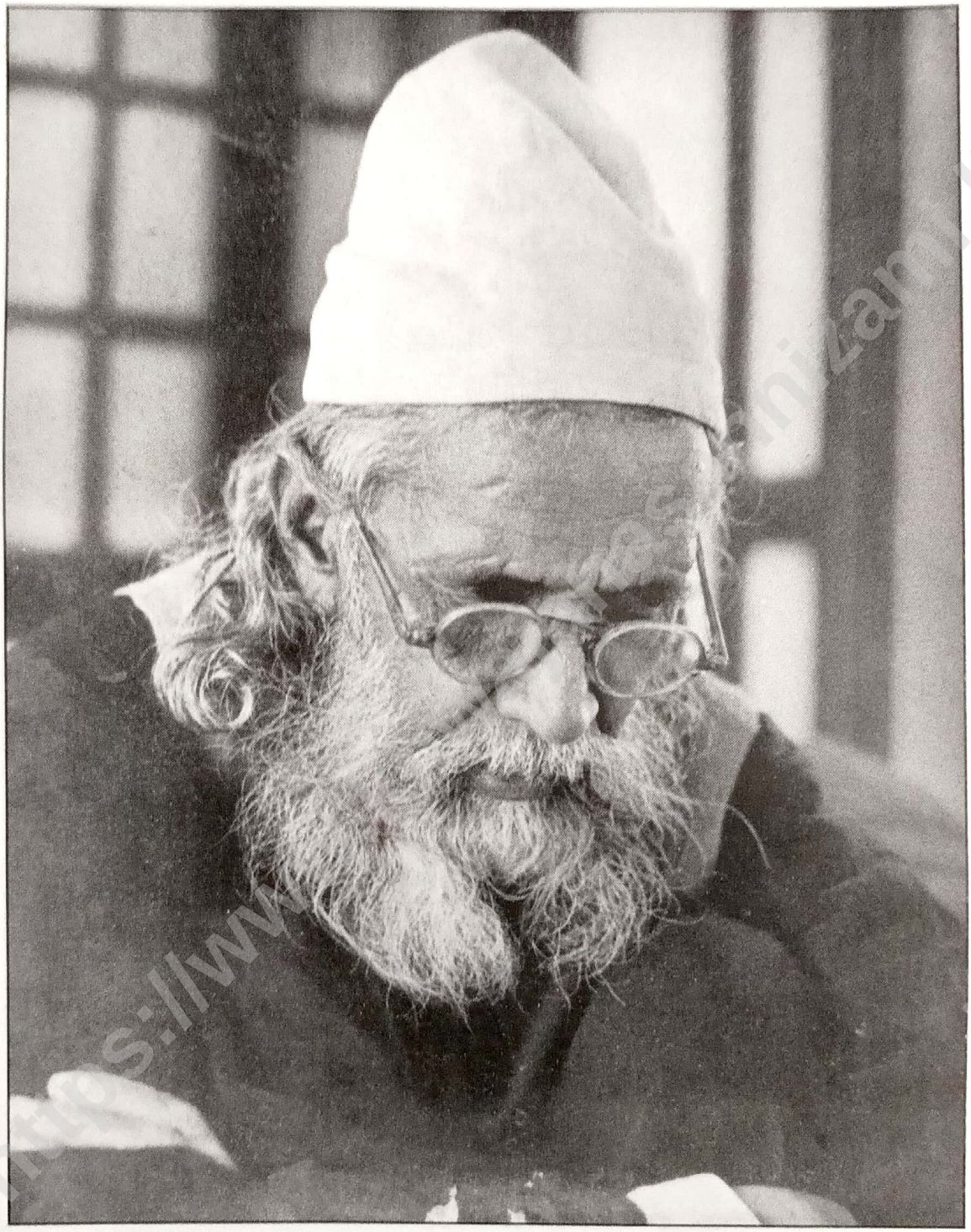
''ہم لوگوں نے ہزار سر مارا کہ اس ان دیکھے خدا کی اسیری سے رہائی ہو''۔

''یثرب نگر کے چودھری نے کہا جو سارے سنسار کے میلے تنوں کو دھونے آیا تھا''

خواجہ حسن نظامی کے الفاظ میں مغربی سازوں کی سی ہم آہنگی ہوتی ہے اور اس ہم آہنگی سے ایک مخصوص فضا کی تخلیق ہوتی ہے وہ ایسے ''صاحب ساز'' ہیں، جس کا ''سروش'' کبھی ''غلط

©https://www.khwajahasanmizamilife

© Khwaja Syed Mohammad Shafi Nizami



شمس العلماء حضرت خواجہ حسن نظامیؒ اپنے گھر حسین خانے میں

© https://www.khwajahasannizami.life

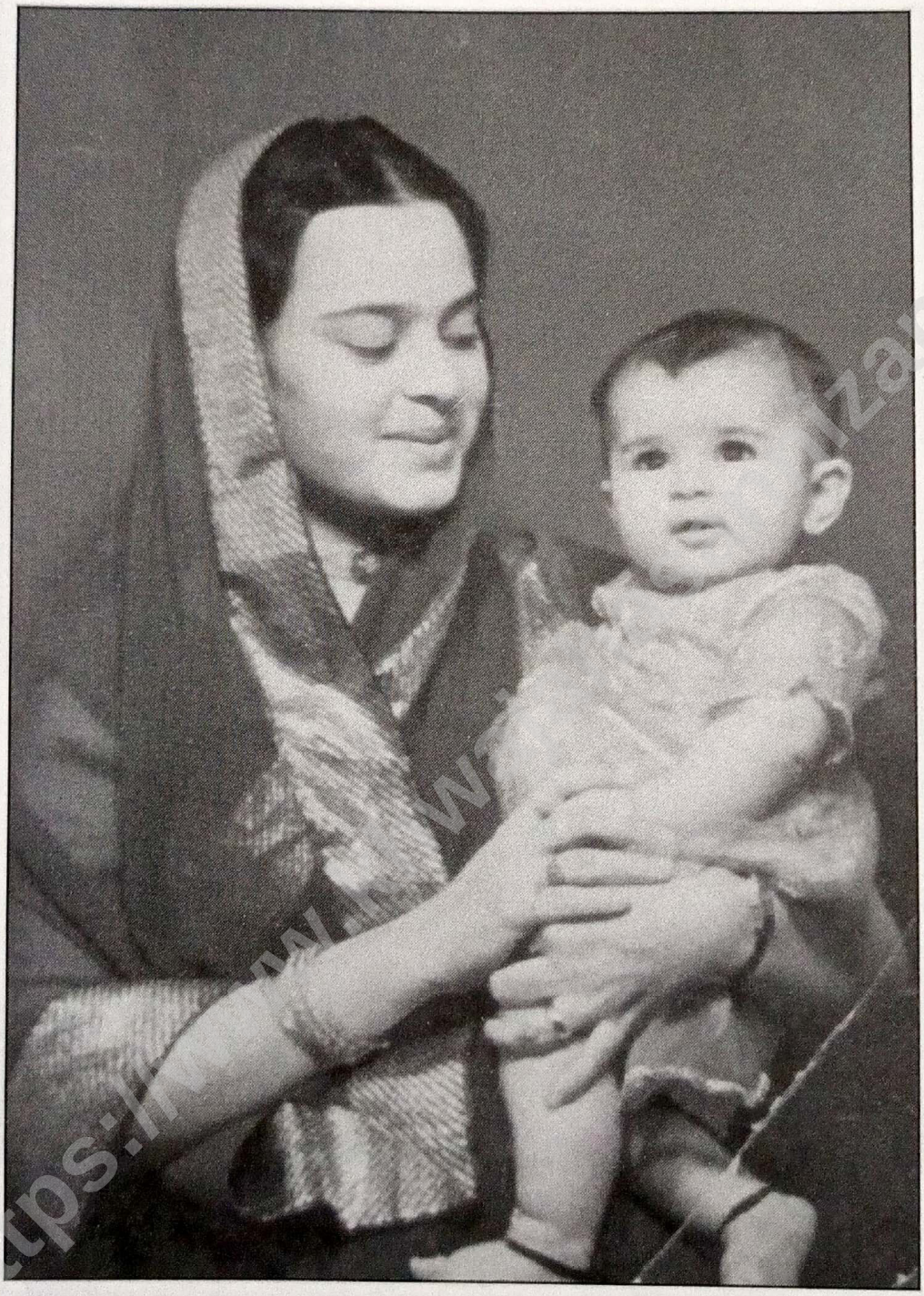
© Khwaja Syed Mohammad Shafi Nizami



شمس العلماء حضرت حسن نظامیؒ رشی کیش سے بیس میل دور اپنی نوجوانی کے زمانے میں

© https://www.khwajahasanmizamilife

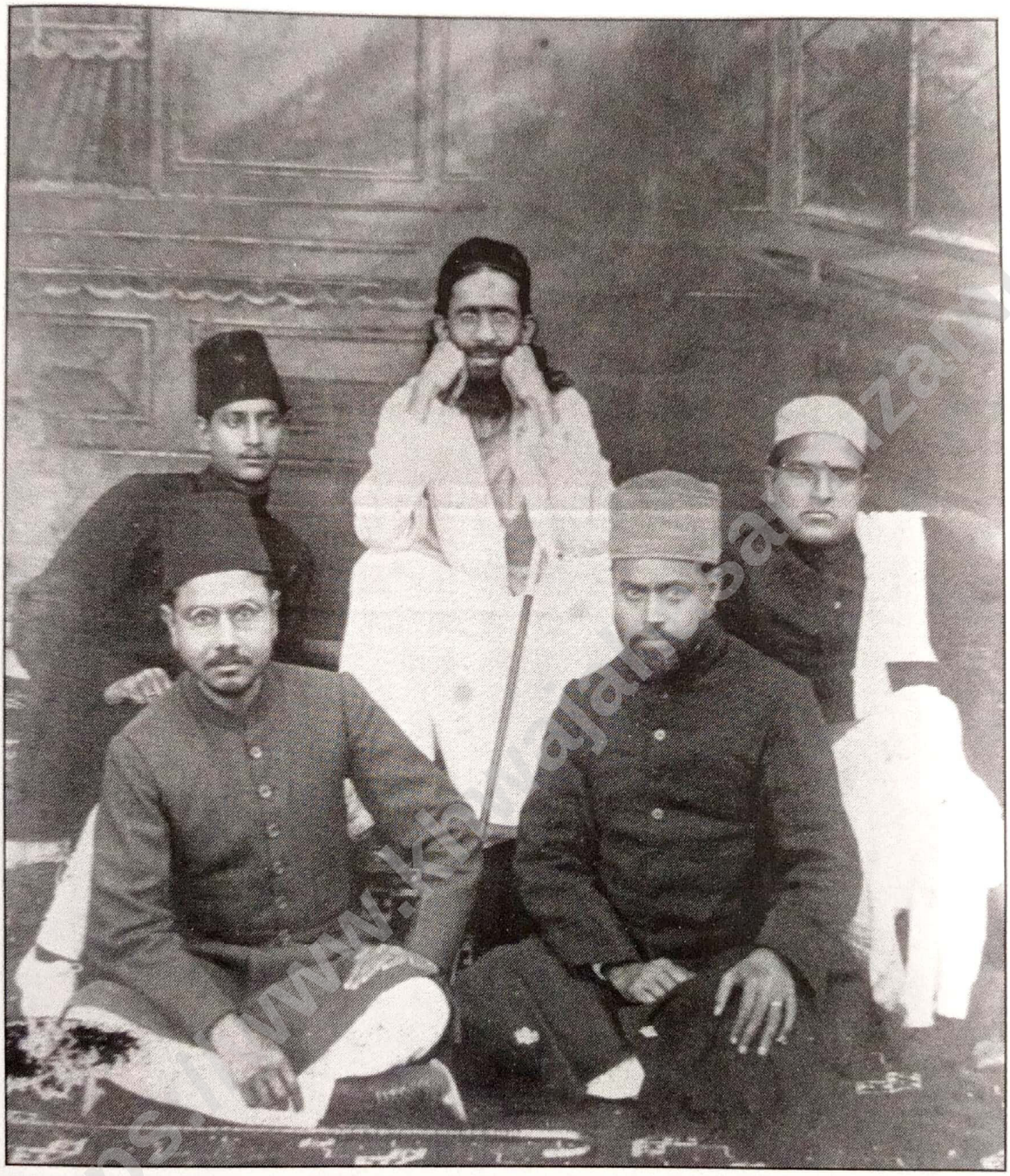
© Khwaja Syed Mohammad Shafi Nizami



شمس العلماء حضرت خواجہ حسن نظامیؒ کی منہ بولی انگریز روحانی صاحبزادی نفیس بانو نظامی صاحبہ بیگم عالی جناب حضرت محی الدین مرحوم اولاد پاک حضرت غوث پاکؒ اور حضرت خواجہ صاحب اجمیریؒ اپنی بے مثال اولاد کے ساتھ

© https://www.khwajahasanizamilife

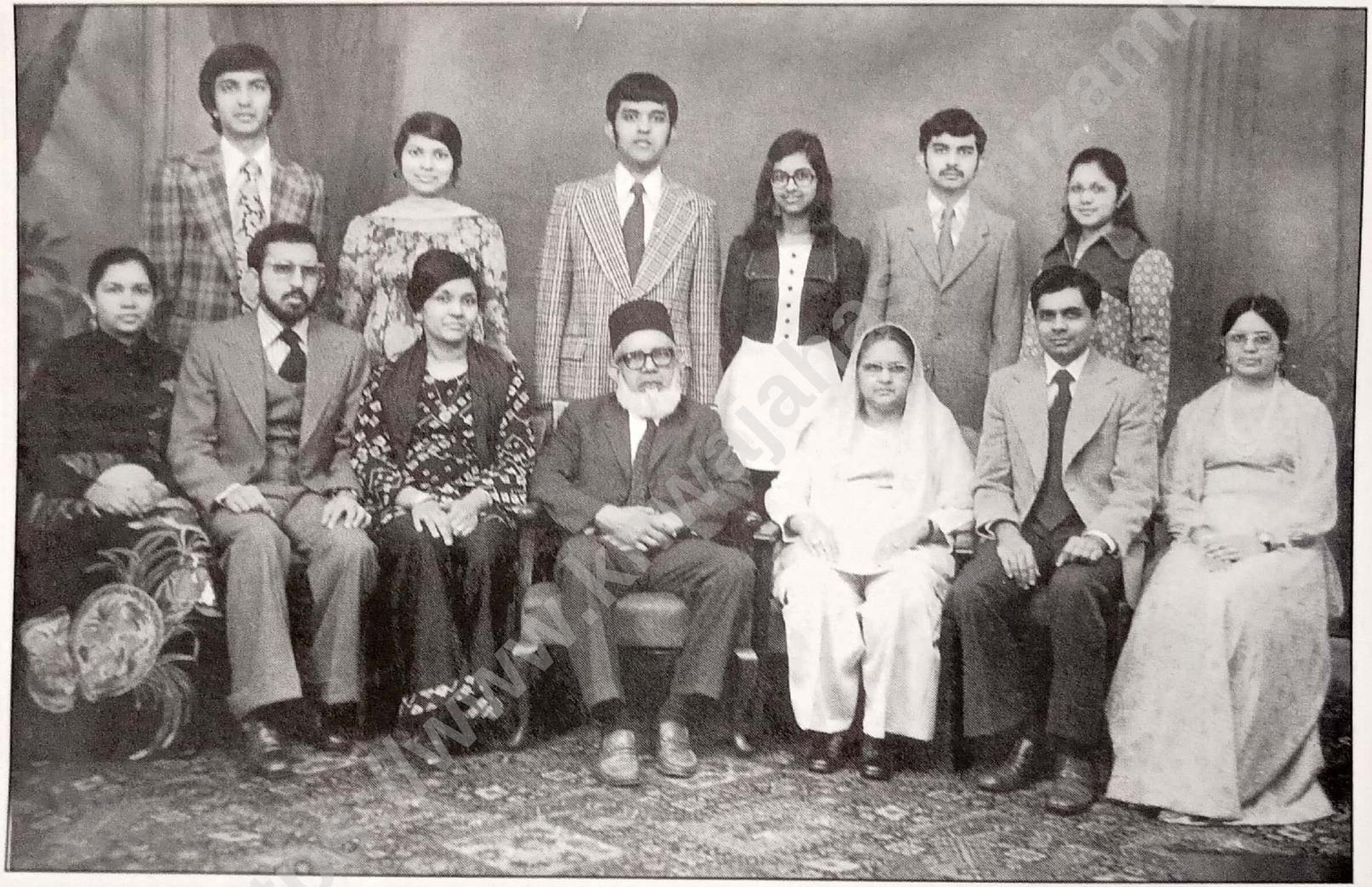
© Khwaja Syed Mohammad Shafi Nizami



دائیں طرف سے (مہنت رام کشن داس صاحب قدیم ترین ہندو آشرم پٹنہ بہار)
جامع مسجد دہلی کو کو انگریزوں سے خرید کر دوبارہ مسجد بنانے والوں کی یادگار بھیا احسان الحق صاحب
شمس العلماء مصور حضرت خواجہ حسن نظامی مرحوم غرالی دہلوی اور مغل حکومت کے خالص سید نمایندے ملا واحدی نظامی دہلوی

© https://www.khwajahasanizamilife

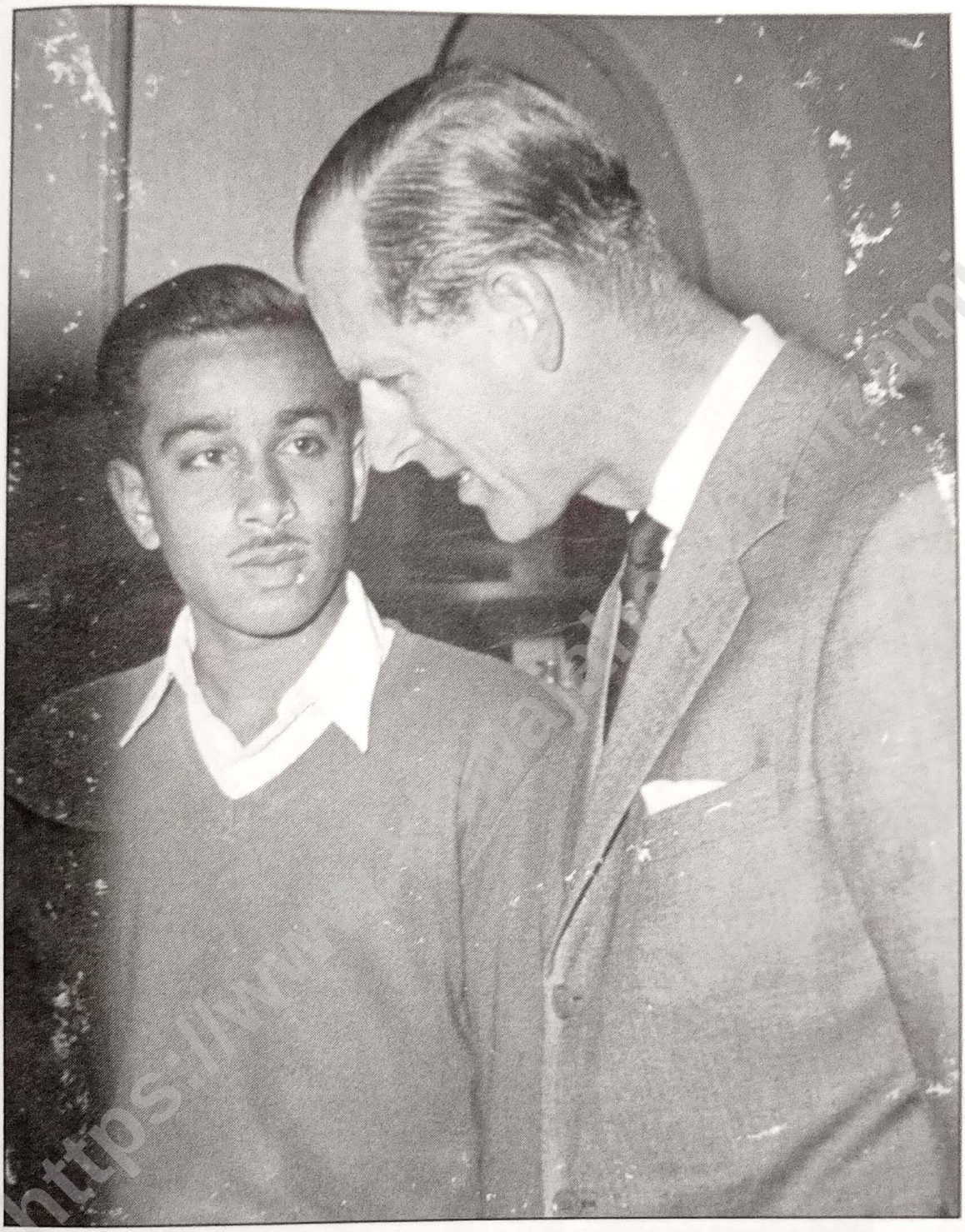
© Khwaja Syed Mohammad Shafi Nizami



شمس العلماء حضرت خواجہ حسن نظامیؒ کے افریقہ میں نامور خلیفہ حضرت عبدالمجید الف خاں نظامی اپنے ممبرانِ خاندان کے ساتھ ڈربن میں

© https://www.khwajahasannizamilife

© Khwaja Syed Mohammad Shafi Nizami



موجودہ ملکہ انگلستانی کے شوہر نامدار ہیز میجسٹی فلپ مدظلہ العالی

حضرت خواجہ حسن نظامیؒ کے بڑے پوتے خواجہ سلمان نظامی مرحوم

© https://www.khwajahasannizamilife

© Khwaja Syed Mohammad Shafi Nizami

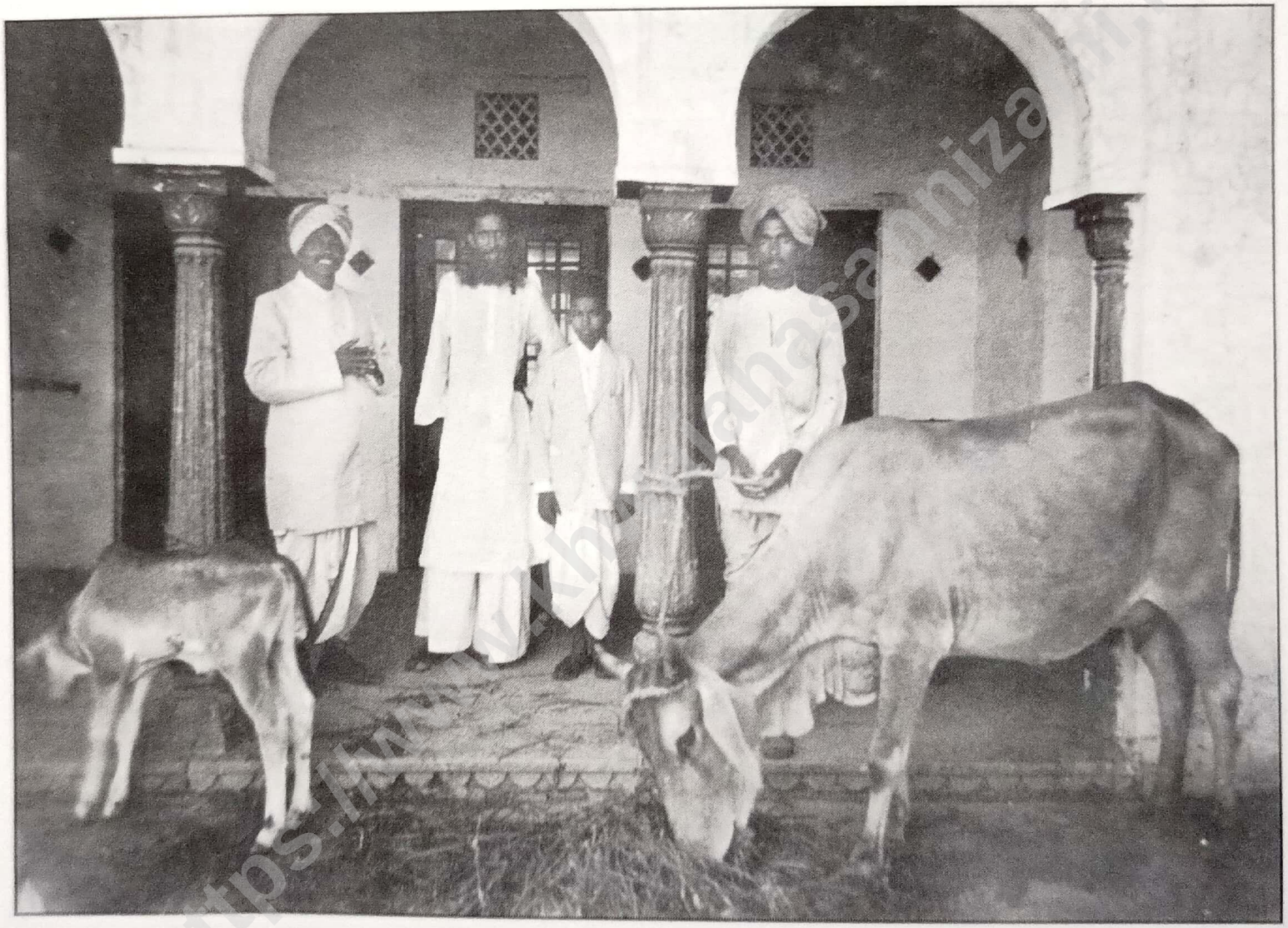


نہرو خاندان کی نامی گرامی شہید ہستی آنریبل راجیو گاندھی

یوروپ ہندوستان اور کل جہان کو رونق بخشنے والی عزت مآب محترمہ سونیا گاندھی نہرو اور مہاتما گاندھی کو نام بخشنے والی خاتون کے شوہرِ نامدار

© https://www.khwajahasanmizamii.life

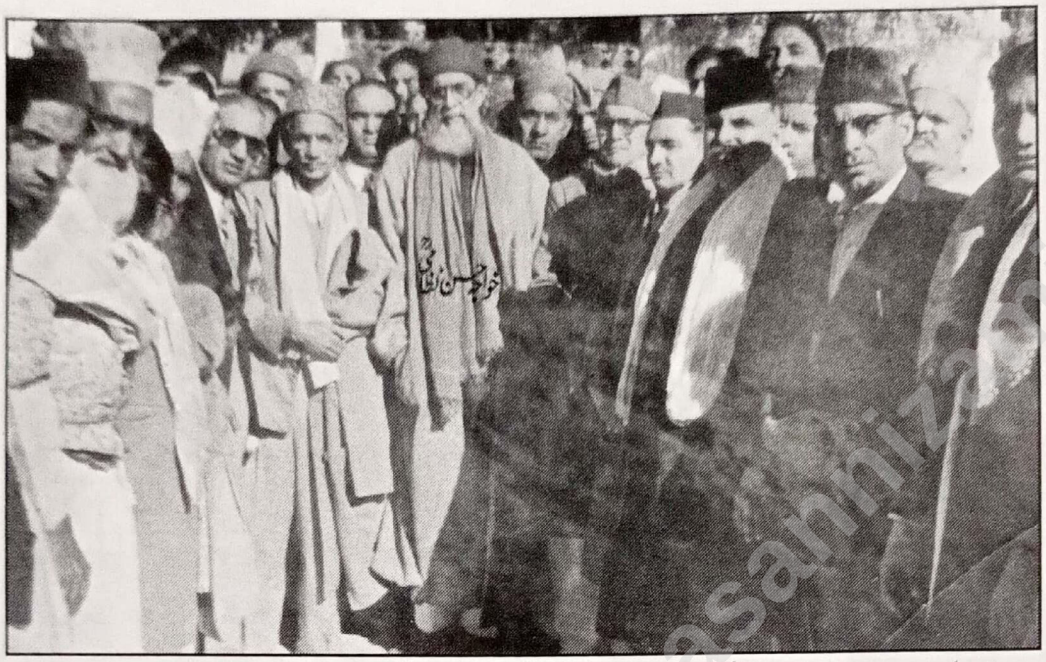
© Khwaja Syed Mohammad Shafi Nizami



حضرت خواجہ حسن نظامیؒ اپنے مکان خسرو منزل میں اپنی پالتو گائے کے ساتھ

© https://www.khwajahasanizamilife

© Khwaja Syed Mohammad Shafi Nizami



ہندو پاک میں مذہبی مقامات کی زیارت کے لئے حضرت خواجہ حسن نظامیؒ نے نہرو لیاقت معاہدہ کرایا۔
سب سے پہلا ڈیلی گیشن درگاہ حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی دہلی میں حاضری کے وقت



بائیں طرف سے خواجہ حسن ثانی نظامی آنریبل جگ جیون رام
حضرت مفتی شوکت علی فہمی وغیرہ

© https://www.khwajahasanizami.life

© Khwaja Syed Mohammad Shafi Nizami



حضرت خواجہ حسن نظامیؒ کی رہائش گاہ میں مہاراجہ سرکشن پرشاد نظامی چیف منسٹر حیدرآباد اپنی فیملی کے ساتھ

© https://www.khwajahasanmizamilife

© Khwaja Syed Mohammad Shafi Nizami



بلاری کرناٹک اور ادھونی آندھرا پردیش کی نظامی جماعت

©https://www.khwajahasanmiilffe

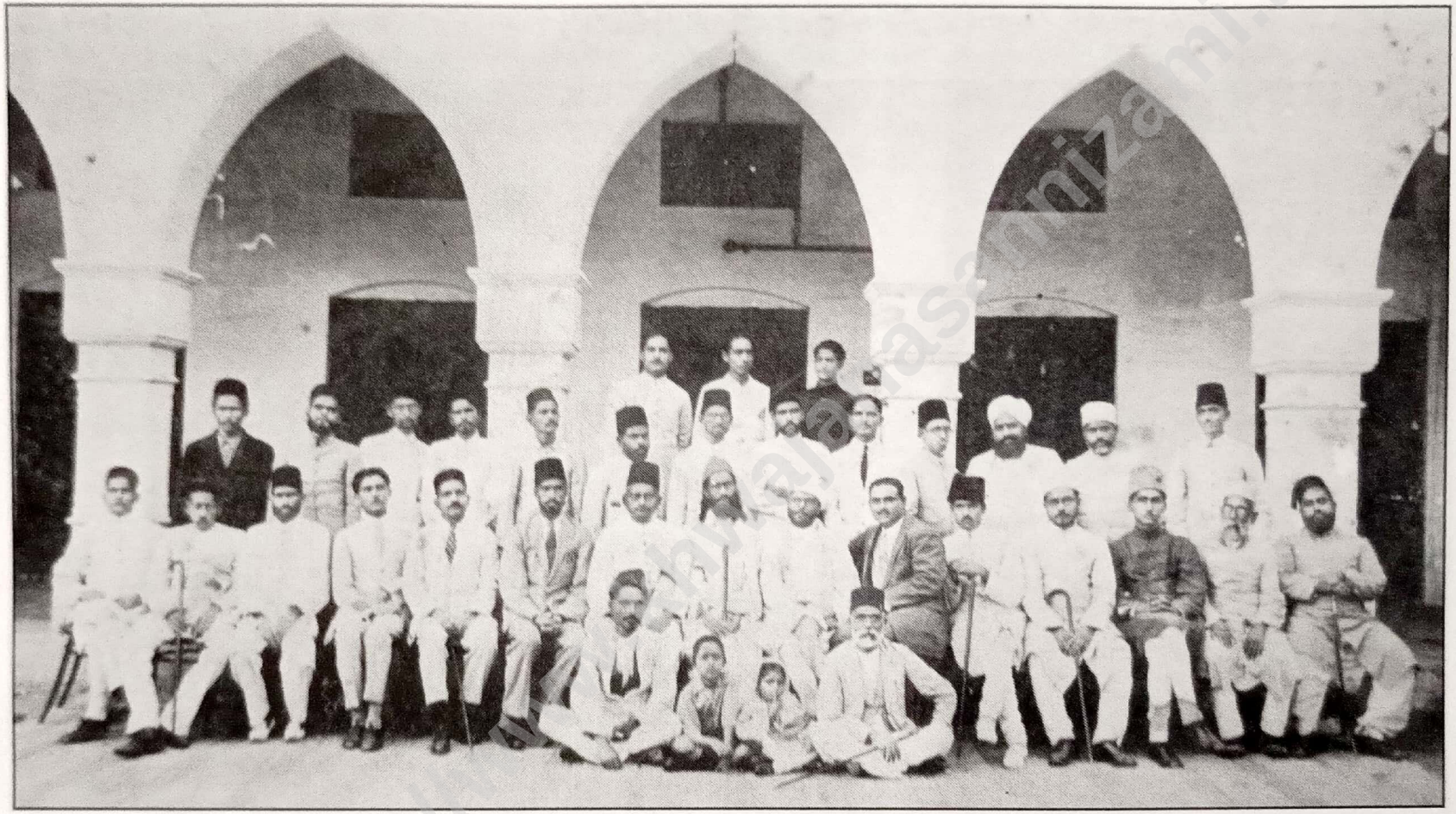
© Khwaja Syed Mohammad Shafi Nizami



حضرت صادق شہید خسر حضرت خواجہ صاحب۔ خود خواجہ صاحب اور بچے مکان ایمان خانے میں

© https://www.khwajahasanmizamilife

© Khwaja Syed Mohammad Shafi Nizami



حضرت خواجہ حسن نظامیؒ دہلی کے تقریباً سب اخبار نویسوں کے ساتھ

© https://www.khwajahasannizamiilife

© Khwaja Syed Mohammad Shafi Nizami



حضرت خواجہ حسن نظامیؒ ریاست پٹیالہ میں مہاراجہ صاحب کے ساتھ 1947ء کے فسادات کے بعد امن قائم کراتے ہوئے

©https://www.khwajahasannizamilife

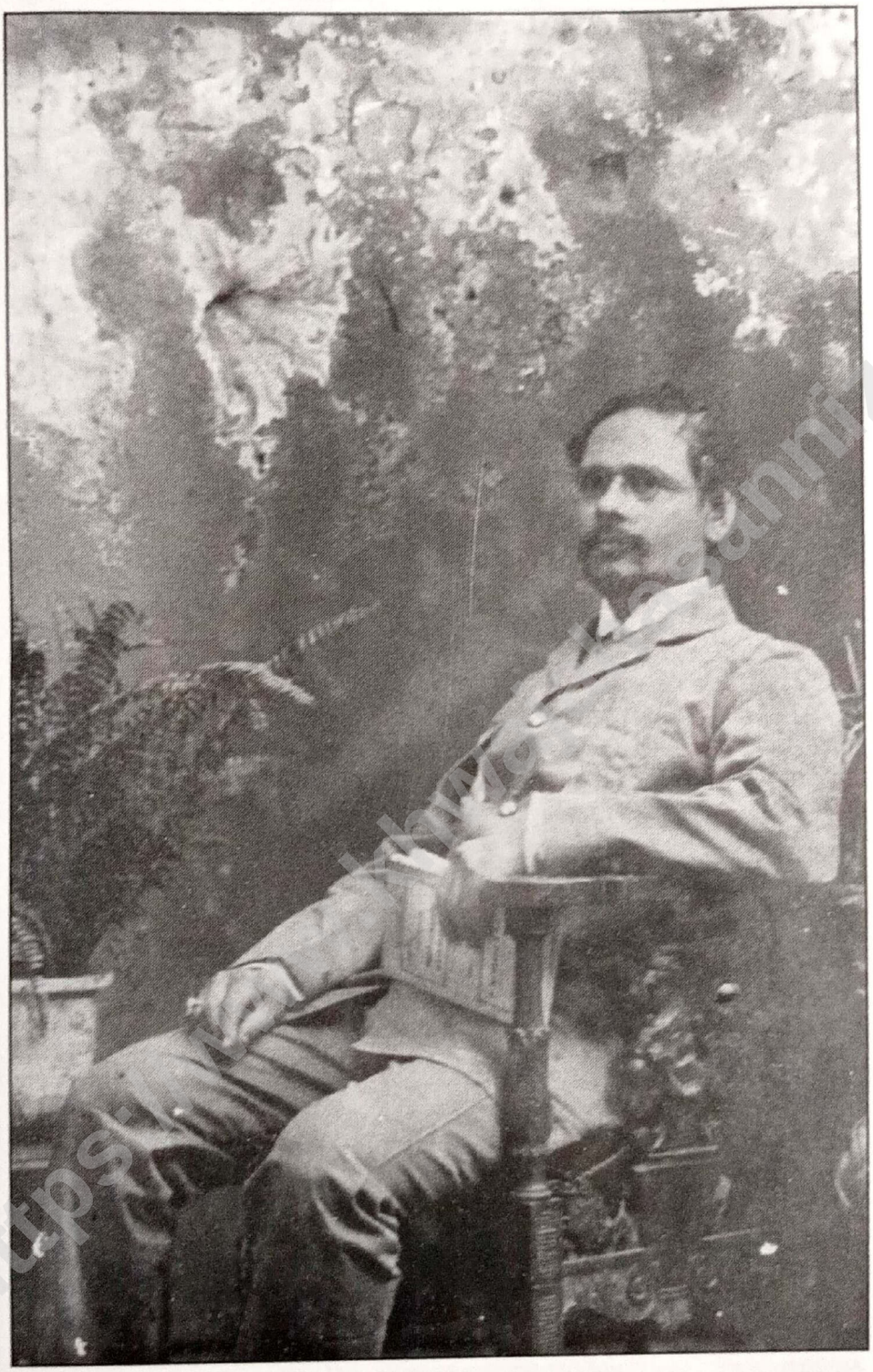
© Khwaja Syed Mohammad Shafi Nizami



ناندیڑ مہاراشٹر میں نظامی اکابر

©https://www.khwajahasanmizamilife

© Khwaja Syed Mohammad Shafi Nizami



شمس العلماء حضرت خواجہ حسن نظامیؒ کے یہودی روحانی بھائی
ڈیوڈ سسون ممبئی میں

© https://www.khwajahasannizamilife

© Khwaja Syed Mohammad Shafi Nizami

آہنگ'' نہیں ہوتا۔ ایسی ہم آہنگ فضا کی تخلیق میں نذیر احمد جیسا انشاء پرداز بھی کامیاب نہ ہوسکا۔ نذیر احمد کے یہاں دہلی کے محاورے بھی اکثر ایسا سونا بن جاتے ہیں، ''جس سے ٹوٹیں کان'' اور اس کے علاوہ عربی کے بے میل ٹکڑے۔

خواجہ حسن نظامیؒ کے مزاج میں ایک فطری خوش مذاقی ہے، جیسی کہ غالب کے یہاں ہے۔ غالب کی تحریروں میں اس خوش مذاقی کے کئی روپ ہیں۔ حسن نظامی کے یہاں یہ بیشتر شگفتگی کی حد تک رہتی ہے۔ یہ شگفتگی کسی مصنف کے یہاں زندگی کی اونچ نیچ دیکھنے سے آتی ہے، زندگی کی سختیوں اور تلخیوں پر ہنسنے سے آتی ہے۔ خواجہ صاحب کی زندگی کئی منزلوں سے گزری تھی اور انھوں نے ایک طویل انقلابی دور دیکھا تھا ''جھینگر کا جنازہ''، ''پیاری ڈکار'' اور ''مچھ کا اعلان جنگ'' خواجہ صاحب کے مزاح اور شگفتگی کی نمائندہ مثالیں ہیں۔ خواجہ صاحب کی ہنسی ایک متمدن آدمی کی ہنسی ہے۔ تہذیب کے آداب ان کی ہنسی کو مسکراہٹ میں بدل دیتے ہیں۔ ان کی مسکراہٹ گوشہ ہائے لب سے زیادہ نہیں پھیلتی۔ اس مضمون کی ابتدا میں میں نے کہا ہے کہ ایک متمدن آواز اور دو چمکتی آنکھوں کا نام حسن نظامی ہے۔ اب اس میں مسکراتے ہوئے چہرے کا اضافہ کرتا ہوں۔ خواجہ صاحب عالم شگفتگی میں کام کی بات کہنا نہیں بھولتے۔ یہ ان کی صوفیانہ افتادِ طبع کا نتیجہ ہے۔

''مچھر کا اعلان جنگ'' میں مسکراہٹوں کے درمیان یہ جملہ بھی ملتا ہے — ''اپنے بھائی نمرود کا قصہ بھول گئے جو خدائی کا دعویٰ کرتا تھا۔'' ''جھینگر کا جنازہ'' اور ''پیاری ڈکار'' سے مختصر اقتباسات دیکھیے:

— میری کتابوں کو چاٹ گیا۔ بڑا موذی تھا۔ خدا نے پردہ ڈھک لیا۔ افوہ! جب اس کی لمبی لمبی دو مونچھوں کا خیال کرتا ہوں جو وہ مجھ کو دیکھ کر ہلایا کرتا تھا تو آج اس کی لاش دیکھ کر بہت خوشی ہوتی ہے۔ بھلا دیکھو تو قیصر ولیم کی برابری کرتا تھا۔'' (جھینگر کا جنازہ)

''کونسل کی ممبری نہیں چاہتا، قوم کی لیڈری نہیں مانگتا، ارل کا خطاب درکار نہیں، موٹر اور شملہ کی کسی کوٹھی کی تمنا نہیں، میں تو خدا سے اور اگر کسی دوسرے میں دینے کی قدرت ہو تو اس سے بھی صرف ایک ''ڈکار'' طلب کرتا ہوں۔ چاہتا یہ ہوں کہ اپنے طوفانی پیٹ کے بادلوں کو حلق میں بلاؤں اور پوری گرج کے ساتھ باہر برساؤں، یعنی کڑا کے دار ڈکار لوں۔'' (پیاری ڈکار)

جس قلم نے ایسے سدا بہار اور شگفتہ ادب پارے تخلیق کیے اسی نے شاہزادوں کی پیتا اور غدر کے افسانے لکھے۔ غدر کے مصائب خواجہ صاحب کے بچپن میں ایک حقیقت کا درجہ رکھتے تھے، وہ لوگ زندہ تھے، جو خاک و خون کے ہنگاموں سے دوچار ہوئے تھے۔ دہلی کا ایک شہزادہ تو نظام الدین اولیاء کے مقبرہ کا ہی باسی تھا۔ ''خواجہ صاحب کی والدہ نے فقیر شہزادہ سے اپنے لاڈلے کے لیے ایک بار تعویذ بھی لیا تھا، خواجہ صاحب کے ذہن پر ان واقعات نے گہرا اثر ڈالا تھا اور خواجہ صاحب نے ادب کو ان تاثرات کے اظہار کا وسیلہ بنایا، یہ دلی مرحوم کی قسمت تھی کہ اسے نذیر احمد، حالی، داغ، ناصر، نذیر، فراق، باقر علی، خواجہ حسن نظامیؒ اور شاہد احمدؒ جیسے سوگوار ملے، جنھوں نے اس کے ماضی کے تمدن کو ادب میں ہمیشہ کے لیے محفوظ کر دیا۔ خواجہ صاحب نے محض شاہزادوں کا مرثیہ نہیں لکھا بلکہ ان کی آڑ میں وہ ایک بڑے تمدن کی کہانی کہتے ہیں۔ خواجہ صاحب کو ان کے مخالفوں نے قومی تحریک سے علاحدہ سمجھا، لیکن میں سمجھتا ہوں کہ ان کی تحریروں سے سچی قومیت کو جو فروغ ہوا اور بدیشی راج کے خلاف نفرت پیدا ہوئی اس کی نظیر کم ملے گی، مسلمانوں کے جذبۂ قومیت کے لیے ان کی تحریریں ایک تازیانہ تھیں۔ نئے بنت بہادر شاہ کی کہانی کا یہ حصہ دیکھیے:

©https://www.khwajahasanmizamilife

© Khwaja Syed Mohammad Shafi Nizami

''ابھی ہم ندی کے کنارے پر اترے ہی تھے کہ سامنے سے انگریزی فوج آ گئی..... سامنے کھیت تھے، جن میں پکی ہوئی تیار کھیتی تھی۔ ہم لوگ اس کے اندر چھپ گئے۔ ظالموں نے خبر نہیں دیکھ لیا تھا یا نا گہانی طور پر گولی لگی، جو کچھ بھی ہوا ایک گولی کھیت میں آئی جس سے آگ بھڑک اٹھی اور تمام کھیت جلنے لگا۔ ہم لوگ وہاں سے نکل کر بھاگے۔ پر ہائے کیسی مصیبت تھی ہم کو بھاگنا بھی نہ آتا تھا..... گھاس میں الجھ الجھ کر گرتے تھے، سر کی چادریں وہیں رہ گئیں۔ برہنہ سر، حواس باختہ، ہزار دقت سے کھیت کے باہر آئے۔

خواجہ حسن نظامی نے باقاعدہ ''خاکے'' نہیں لکھے۔ ہاں پرانے دلی والوں کے حلیے انھوں نے ضرور لکھے ہیں، مگر سچ یہ ہے کہ وہ اس میدان میں محمد حسین آزاد اور فرحت اللہ بیگ کو نہیں پہنچتے۔ پھر انھوں نے اعتراف بھی کیا ہے کہ یہ حلیے ''آب حیات'' اور ''دہلی کی آخری شمع'' کی روشنی میں لکھے گئے ہیں، جدت پسندی اہل کمال کی خصوصیت ہے، مگر خواجہ صاحب نے اردو نثر میں بعض نئی طرحیں ضرور ڈالیں، بقول اقبال ؏

طرح نو افگن کہ ما جدت پسند افتادہ ایم

اس قسم کا انداز تحریر جیسے ''من کہ ایک دھوبی کا غذی گھاٹ پر'' خواجہ کی ستم ظریفیوں کی مثال ہے، جو بہت مقبول ہوا، مگر اس کی نقل نہ ہو سکی۔

اردو کے بعض نئے افسانہ نگاروں نے مکالموں کی صورت میں افسانے ضرور لکھے، لیکن ایسی کوئی چیز نہیں لکھی گئی۔ پھر اس تحریر میں جو فضا ہے وہ اپنی جگہ خود ایک دنیا ہے۔ دو ٹکڑے دیکھیے۔

''سنتی ہے، اس کا غذی گھاٹ پر آئی ہے، چنری چولا دھلوانے لائی ہے، تو میری بات مان۔ یہ چولا من کے صابن سے دھلے گا، جس کو پریم کی بھٹی میں چڑھاؤں گا، نیچے آگ جلاؤں گا۔''

''میرٹھ نگر کے چودھری نے کہا جو سارے سنسار کے میلے تنوں کو دھونے آیا تھا۔ اسلام غیریبوں سے شروع ہوا اور پھر غریبوں میں آجائے گا۔ تو بس ہم تم دونوں اپنے چودھری کے بیان پر مگن ہیں۔ اسلام ہم میں ہم اسلام میں اور سب امیر پیشہ والے من وتو کے کلام میں

مچھوا مچھو، مچھوا مچھو ، چھوا چھو

چھوا چھو، چھیو رام، چھیو، چھیو''

یہ مضمون اردو کے صوفیانہ ادب کا کوہ نور ہے۔ یہاں صرف دھوبیوں کی زبان ہی نہیں، ان کا طریقۂ اظہار نہیں بلکہ ان کی صحیح نفسیات اور فطرت کا صحیح مطالعہ ہے۔ خواجہ صاحب نے ان تحریروں سے اردو زبان کی عوامی حیثیت کو اجاگر کیا ہے۔ دوسری طرف رسالت مآب سے گہری محبت ظاہر کی ہے۔ یہ سادگی اور خلوص ''مسدس حالی'' کے سوا بہت کم ملے گا۔ خواجہ حسن نظامی اپنے خلوص سے الفاظ میں ایک کیمیاوی سا تغیر پیدا کر دیتے ہیں۔ ''اسلام میں من وتو کے کلام میں'' یہ آہنگ، یہ صوتی تاثر اور سلیس نثر میں اس درجہ آسانی سے تمثیل ترکیب کا استعمال کہ ذرا محسوس نہ ہو، حسن نظامی کے ساتھ ختم ہو گیا۔ حسن نظامی نے یہ گر بلاغت کی کتابوں سے نہیں سیکھا بلکہ دلی کے گلی کوچوں میں سیکھا تھا۔

بچپن میں خواجہ صاحب نے ملکہ وکٹوریہ کا سکہ دیکھ کر اپنی امی سے کہا تھا۔ امی میری مورت کا بھی پیسہ بنوا دو۔'' ان کی امی تو اپنے بیٹے کی یہ تمنا پوری نہ کر سکیں، لیکن خود خواجہ نے اردو نثر کی ٹکسال میں اپنی مورت کا ایک سکہ ڈھالا اور یہ سکہ ہمیشہ رائج الوقت رہے گا، کیونکہ اردو عوامی زبان ہے اور عوامی زبان ہی بن کر زندہ رہ سکتی ہے۔

☆☆☆

© http://www.khwajahasannizami.life

© Khwaja Syed Mohammad Shafi Nizami

حضرت خواجہ صاحبؒ اور ان کی چند تحریکیں

ڈاکٹر ضیاء الدین شکیبؔ حیدرآباد

ہندوستان کی تہذیبی تاریخ کا یہ ایک لمحۂ خوش بختی ہے، جب ہم خواجگانِ چشت کی خدمات اور ان کے ورثہ کا جائزہ لینے کے لیے آج یہ سیمینار منعقد کر رہے ہیں۔ آج کے افکار خیر نہ صرف ہمارے بکھرے ماضی کی یادوں کو تازہ کرنے والے ہیں، بلکہ ہمارے بکھرے ہوئے حال میں ہماری رہنمائی کرنے والے بھی ہیں۔ یہ اذکار مستقبل کی نسلوں کے لیے ایک تحفہ بھی ہیں۔

صبح کی نشست میں ہم نے ان اکابر خواجگانِ چشت کے تذکرے سے قلب ونظر کے لیے تقویت اور روشنی حاصل کی جن کا مرتبہ السابقون الاولون کا ہے۔

اس محفل میں خانوادۂ محبوبِ الٰہیؒ کے چشم و چراغ امام المشائخ حضرت خواجہ حسن نظامی رحمۃ اللہ علیہ کا ذکر خیر ہے۔

حضرت خواجہ حسن نظامی رحمۃ اللہ علیہ کی ولادت ۱۸۷۹ء میں ہوئی اور وفات ۱۹۵۵ء میں ۷۶ سال کے عرصہ حیات میں کم وبیش پچاس سال سے زیادہ کا عرصہ حق وصداقت کے لیے سخت جدوجہد اور عظیم الشان کارناموں سے عبارت ہے۔ آپ کی شخصیت اس قدر متنوع، رنگا رنگ اور ہمہ گیر رہی ہے کہ اس کا احاطہ ابھی تک کسی اہل قلم سے بجا طور پر نہیں ہوسکا۔

عبارتنا شتی وحسنك واحد

حسن ایک ہے اور اس کی عبارتیں مختلف۔ کسی نے کوئی پہلو لے یا اور کسی نے کوئی، جب تک آپ اس دنیا میں رہے، اس وقت تک سب کی نظریں آپ کی شخصیت کے آئینہ خانے میں کھوئی ہوئی تھیں۔ کسی نے آپ کو ادیب سمجھا تو کسی نے خطیب، کسی نے صحافی سمجھا تو کسی نے صوفی صافی۔ طرز زندگی کبھی ردائے فقیری میں ڈھکی دکھائی دیتی ہے تو کبھی قبائے دنیاداری میں۔ لیکن اس ساری رنگارنگی کے باوجود آپ کی زندگی کا کوئی گوشہ چھپا ہوا نہیں رہا، بلکہ چھپا ہوا رہا۔ شیخانِ جاہل اور پیران گمراہ نے مسندوں میں حقیقت کو افسانہ کرنے کی کوشش کی، لیکن صاحب طریقت کو کسی بات کی کوئی پروا نہیں تھی، بلکہ محسوس ہوتا تھا یوں کہہ رہے ہوں کہ

عاشق و رند و نظر بازم و می گویم فاش
تا بدانی بہ چندیں ہنر آراستہ ایم

کسی نے حضرت خواجہ حسن نظامی کی طبیعت کی شوخی اور لطافت کا مقابلہ اکبر الہ آبادی سے کیا، لیکن یہ محسوس کیا کہ جہاں اکبر کے یہاں طنز وظرافت ہے، وہاں خواجہ صاحب کے یہاں درد کی کسک ہے۔ خواجہ صاحب کے متصوفانہ ارشادات پر بہتوں نے بہت کچھ لکھا ہے، لیکن ان اثرات کے لیے ان کو اپنے معاصرین کا منت پذیر سمجھا ہے۔ میرا خیال ہے کہ یہاں مبصرین سے چوک ہوگئی ہے۔ میں نہیں سمجھتا کہ حضرت خواجہ حسن نظامی کی شخصیت کے اجزاء ترکیبی کو سلسلہ چشتیہ نظامیہ سے باہر ڈھونڈھا جائے۔

یہ حقیقت کسی استدلال کی محتاج نہیں کہ آپ کی طبیعت کی شوخی اور اچیلائیت کا سلسلہ حضرت امیر خسرو رحمۃ اللہ علیہ سے ملتا ہے۔ آپ کی دردمندی اور جگر سوزی حضرت نصیر الدین چراغ دہلیؒ سے حرارت حاصل کرتی ہے۔ ملک کے شمال سے جنوب تک سلسلے کی تعلیمات کی اشاعت حضرت برہان الدین غریبؒ کی یاد تازہ کرتی ہے اور ذوق، ارشاد و نگارش سے حضرت خواجہ بندہ نواس گیسو دراز رحمۃ اللہ کی روایات کا احیاء ہوتا ہے۔ یہ چند

© http://www.khwajahasannizami.life

© Khwaja Syed Mohammad Shafi Nizami

اشارات اس لیے ضروری سمجھے گئے کہ حضرت خواجہ حسن نظامی کی تحریکات کا جائزہ لینے سے پہلے ضروری ہے کہ روایات چشتیہ نظامیہ میں آپ کی ذات گرامی، سیرت و شخصیت کو واضح طور پر دیکھا جائے۔ سلسلے کے چوکھٹے میں جناب کی شخصیت متنوع اجزا کی تالیف ہوتی ہے اور یہ حقیقت سامنے آتی ہے کہ آپ کی ذات گرامی بجائے خود اس درجہ متحرک ہے کہ عصر جدید کے مشائخین میں اس کی کوئی مثال نہیں ملتی۔ کیا ذکر اور کیا فکر، ہر حالت لبریز کیفیت ہے۔ بقول اقبالؔ۔

جو ذکر کی گرمی میں شعلے کی طرح روشن
جو فکر کی سرعت میں بجلی سے زیادہ تیز

سوانح نگار جب آپ کے ارشادات، نگارشات اور ملفوظات کی روشنی میں آپ کی شخصیت کا نقشہ کھینچنے بیٹھے گا تو یقین ہے کہ منطقی طور پر آپ کی ذات کا صنم تراشنے میں ناکام رہے گا۔ خواجہ صاحب کی شخصیت کے اظہار کے لیے اسے علائم سے کام لینا پڑے گا۔ ایسے علائم، جیسے ایک خطۂ نور کہ جو وقت کا سینہ چیرتا ہوا گزر گیا اور جس سے کئی شعاعیں نکل کر حق کی سمت رجوع میں بکھر گئیں۔ خواجہ صاحب کے ملفوظات میں مجھے ایک حرف بھی ایسا نہیں ملا، جو جامد ہو۔ آپ کا ہر لفظ، آپ کی ہر آواز ایک پیام ہے، ایک آواز جرس ہے۔

آپ کی متحرک ذات جس لمحے سے ٹکراتی ہے اور جس واقعے سے دوچار ہوتی ہے وہاں ایک نئی تجویز پیش کر دیتی ہے، ایک نئے انداز میں رہنمائی کرتی ہے، زندگی کے ہر نفس سے اور قلم کی ہر جنبش سے ایک نئی تحریک ابھرتی ہے۔ منادی کا فائل دیکھ جائیے، تحریکوں کا ایک نا متناہی سلسلہ ملتا چلا جائے گا، میں یہ سمجھا تھا کہ شاید ان تحریکوں کا احاطہ کر سکوں گا، لیکن جب میں یہ کام کرنے بیٹھا تو مجھے اس کام کی وسعت اور اس کی پیچیدگیوں کا اندازہ ہوا۔ خواجہ صاحب کی ذات اپنے عصر کو اپنے اندر سمیٹے ہوئے ہے۔ وہ ہر صورت حال سے ہر واقعے، ہر اس لمحے سے باخبر ہیں، جس نے ان کی عصری زندگی کو متاثر کیا ہے، اور وہ ہر لمحے کو پکڑ کر روک لیتے ہیں اور نہ صرف ہر لمحے کی تادیب کے درپے رہتے ہیں، بلکہ اس کی سمتوں کا تعین کرتے ہیں۔ کوئی لمحہ کتنا ہی سرکش کیوں نہ ہو۔ کوئی حادثہ کتنا ہی سرگراں کیوں نہ ہو، وہ نہ تو مکدر ہوتے ہیں نہ مرعوب۔ وہ حوادث کو پچکار کر رام کر لیتے ہیں اور بہکے ہوئے حالات کو پیار سے سدھار لیتے ہیں۔ وہ کسی بات پر خفا نہیں ہیں۔ خواجگان چشت کے حقیقی وارث کی طرح کبھی مغلوب الغضب نہیں، بلکہ غضب ان کے انبساط کے آگے دست بستہ ہے۔

اس مزاج اور اس سریع السیر طبیعت کے ساتھ حضرت خواجہ حسن نظامی رحمۃ اللہ علیہ نے جو کچھ کیا وہ ان کی کسی نہ کسی تحریک کا جزو تھا۔ ان تحریکوں کو اجزاء میں دیکھا جائے تو فہرست اتنی طولانی ہے کہ کچھ کہنے کو نہیں، لیکن اگر وحدت میں دیکھا جائے تو وہ روایات و تعلیمات سلسلۂ چشتیہ نظامیہ کی تجدید و احیا پر مبنی ہے، اس عظیم الشان تحریک کی ضمنی تحریکوں کو سیاسی، سماجی، مذہبی۔ لسانی، اخلاقی، تعلیمی، صحافتی اور معاشی تحریکوں میں زمرہ بندی کر کے بھی دیکھا جا سکتا ہے۔ ان کا جائزہ معاصر تاریخی پس منظر میں لینا ہوگا۔ آپ کے ارشادات وہ راز نہیں ہیں کہ جو محض وعظ ہوں اور منبر سے کہہ دیے جائیں۔ وہ معاصر تاریخ سے اس طرح پیوست ہیں کہ ان کے بارے میں غالب کا یہ شعر زیادہ بہتر ترجمانی کر سکتا ہے۔

آن راز کہ در سینہ نہانست نہ وعظ است
بردار تواں گفت و بہ منبر نہ تواں گفت

ظاہر ہے کہ اس موقع پر ان تمام نقاط نظر سے ساری تحریکوں کا جائزہ پیش کرنا ممکن نہیں ہے۔ انشاء اللہ تفصیلی جائزہ منادی کے صفحوں پر پیش کروں گا۔ اس وقت ان تحریکوں پر ایک

© http://www.khwajahasannizami.life

© Khwaja Syed Mohammad Shafi Nizami

جامع تبصرہ ہی ممکن ہے تاہم آپ کی چشتیہ تحریک کے تین پہلوؤں پر کچھ نہ کچھ عرض کرنا ضروری ہے۔

پہلا پہلو دینی ہے۔ دین اسلام کی بنیاد کتاب اللہ ہے۔ یہی کتاب ساری دینی صداقتوں کا سرچشمہ اور ان کا مرجع ہے۔ قرآن مجید کے پیام کو ہر خاص و عام تک پہنچانے میں حضرت خواجہ حسن نظامی رحمۃ اللہ نے جو مہم اُٹھائی اور تحریک سر کی وہ بجائے خود اس قدر عظیم الشان ہے کہ اس پر ایک کتاب لکھی جاسکتی ہے۔ اس تحریک کی دعوت آپ نے علماء کو دی، اداروں کو دی اور ریاستی حکومتوں کو دی، کسی نے کچھ سنا کسی نے نہ سنا، لیکن آپ کسی پر تکیہ کر کے آگے بڑھنے والوں میں نہیں تھے، جو تحریک اٹھائی اس کا علم لے کر آگے بڑھ گئے۔ اور بڑھتے گئے۔ لوگ ساتھ آتے گئے اور کارواں بنتا گیا۔ یہاں تک کہ اس میں ایسی کامیابی حاصل کی جو دوسری شخصیتوں اور اداروں کے لیے قابل رشک ہے۔

آپ کی سب سے بڑی تمنا یہ تھی کہ قرآن کم تعلیم یافتہ اور کم عمر لوگوں تک پہنچے، نیز غیر مسلم احباب تک پہنچے۔ چنانچہ یہ بیڑا اٹھایا اور قرآن مجید کا آسان ترجمہ اور تفسیر مرتب کر دی۔ اس کو اس طرح مرتب کیا کہ اس کا ایک ایک لفظ آئینہ ہو گیا۔ ایک ایک گرہ کھل گئی، کتاب کی لوح الٹتے ہی مبتدی کو یقین ہو جاتا ہے کہ وہ قرآن مجید کو معنوں کے ساتھ سمجھ سکے گا۔ یہ تجربہ نہایت کامیاب رہا۔ ضرورت اس کی ہے کہ اس ترجمہ اور تفسیر کو زیادہ سے زیادہ فروغ دیا جائے۔ ایک مسئلہ غیر مسلموں تک قرآن مجید پہنچانے کا تھا اور یہ بھی اندیشہ تھا کہ شاید آنے والے زمانے میں مسلمان بچے بھی اردو رسم الخط سے نا آشنا ہوں گے۔ ان کے لیے کلام مجید کا ترجمہ اور تفسیر ہندی میں مرتب فرما دیا۔

دوسری اہم تحریک قومی یکجہتی کی ہے۔ حضرت خواجہ حسن نظامی نے ہندوستان کے ماحول میں مختلف مذہبی فرقوں کے درمیان ہم آہنگی اور میل جول کی فضا پیدا کرنے کے لیے جو کوششیں کی ہیں وہ نہایت متنوع ہیں۔ آپ نفاق انگیزی سے حد درجہ متنفر تھے اور بے تابانہ اس بات کی آرزو مند تھے کہ ہندو مسلم اور سکھ عیسائی باہم شیر و شکر ہو کر رہیں۔ اس ضمن میں بھی حضرت کی صرف تحریک نہیں بلکہ تحریکوں کا ایک سلسلہ ہے۔ البتہ اس سلسلے کی مرکزی تحریک چشتی پارٹی کے ہر وجود سے ظاہر ہوتی ہے اس پارٹی کے ذریعہ سلسلۂ عالیۂ چشتیہ کے پیغام محبت کو نہ صرف ہندوستان بلکہ دنیا بھر میں پھیلانے کا بیڑا اٹھایا گیا۔

چشتی پارٹی کے دروازے تمام مذاہب اور فرقوں پر کھلے تھے۔ اس میں کثرت سے ہندو اصحاب کے علاوہ سکھ، عیسائی اور چند یہودی بھی شریک تھے، ملک کے مختلف علاقوں میں کشیدگی کو دور کرنے اور فسادات کی آگ بجھانے میں چشتی پارٹی نے اپنا مثبت حصہ ادا کیا۔

دوسری جنگ عالمگیر کے موقع پر چشتی پارٹی نے عالمی امن کے قیام کے لیے آواز اٹھائی اور اپنی تجاویز پیش کیں۔ اس پارٹی کے اراکین چشتی درویش کہلاتے تھے اور پارٹی کا یہ ادعا تھا کہ چشتی درویش دنیا میں مستقل اور پائیدار امن قایم کر سکتے ہیں۔

تیسری اہم تحریک اردو تحریک ہے۔ اس حقیقت سے کسی کو انکار نہیں ہو سکتا کہ ہندوستان میں سلسلہ چشتیہ نے اردو زبان و ادب کے فروغ میں ابتداء ہی سے اہم حصہ ادا کیا ہے۔ دکن میں اور دکنی زبان میں مشائخ چشت کی نظم و نثر کے اہم کارنامے موجود ہیں۔ اردو سے محبت دراصل عام انسان سے محبت کا ایک لازمہ سی تھی اور یہی کیفیت خواجہ حسن نظامی رحمۃ اللہ کے دور میں بھی تھی اور آج بھی ہے۔ خواجگان سلف کی طرح حضرت خواجہ صاحب نے اردو کو اپنے پیغامِ محبت کے ابلاغ کا وسیلہ بنایا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ چشتی پارٹی اور اردو تحریک یہ کہہ رہی ہو کہ

کفر کافر کو بھلا، شیخ کو اسلام بھلا

© http://www.khwajahasannizami.life

© Khwaja Syed Mohammad Shafi Nizami

عاشقاں آپ بھلے، اپنا دلا رام بھلا

حضرت خواجہ کی اردو تحریک بھی دراصل متعدد تحریکوں کا مجموعہ ہے۔ مثلاً ایک تحریک یہ تھی کہ رسل ورسائل میں خطوط پر پتہ اردو میں لکھا جائے۔ سنا ہے کہ اگر کوئی صاحب خواجہ صاحب کے نام خط پر انگریزی میں پتہ لکھتے تو آپ اس کو لوٹا دیتے تھے۔ آپ کے اردو اشتہار ترویج اردو اور ابلاغ حق کا شاہکار ہوا کرتے تھے۔ آپ کی اشتہاری تحریک مشہور تھی۔ آئے دن آپ کے اردو اشتہار دہلی کی سڑکوں اور کوچوں میں دیواروں پر چسپاں ہوا کرتے تھے اور عوام کثیر تعداد میں ان کو ذوق وشوق سے پڑھتے تھے، لیکن یہ تو جزوی باتیں تھیں۔ آپ کی اصل اردو تحریک آسان اردو کی تحریک تھی۔ ایسی اردو جو بولتی ہوئی ہو اور زندگی کی جیتی جاگتی تصویر پیش کرے۔

حضرت خواجہ صاحب نے ایسی اردو کے خلاف جہاد کیا، جس میں عربی فارسی یا سنسکرت الفاظ ٹھسے ہوئے ہوں۔ ایسی مشکل زبان لکھنے والوں اور بولنے والوں کو آپ اردو کا قاتل کہا کرتے تھے۔ میں سمجھتا ہوں کہ پورے اردو لٹریچر میں خواجہ صاحب کی تحریروں سے زیادہ زندہ زبان کی مثال شاید ہی کہیں اور بھی ملتی ہو۔ غالبؔ کے بعض خطوط یقیناً ان کی زندگی کی جیتی جاگتی تصویر پیش کرتے ہیں، لیکن خواجہ صاحب کی تحریریں ایک پوری تہذیب کی جیتی جاگتی تصویر پیش کرتی ہیں۔ آپ کی زبان ایک ایسی اردو زبان ہے کہ جس کو اردو یا ہندی جاننے والا نہ صرف یکساں طور پر سمجھ سکتا ہے، بلکہ یکساں طور پر اس کے مزے چسکے لے سکتا ہے، ہندوستانی صحافت کو سرخیوں کے تعین میں، جس قدر متحرک مدد خواجہ صاحب کی تحریروں سے ملی ہے اس کا اندازہ اسی وقت لگایا جاسکتا ہے۔ جب منادی کی فائلیں دیکھی جائیں۔

بابائے اردو مولوی عبدالحق، خواجہ صاحب کی اردو کے بارے میں لکھتے ہیں کہ

''خواجہ صاحب کی عبارت میں چوچلا بھی ہے، جو سیدھی بات کو پھول کی طرح شگفتہ کردیتا ہے۔ وہ اپنے مضمون میں ایک ایک جزو کو الگ الگ کرکے دکھاتے ہیں اور وہ گلکاری کرتے ہیں کہ آدمی عش عش کرتے۔''

خواجہ صاحب کے زندگی سے لبریز بہ ظاہر شوخ لیکن بہ باطن درد بھرے اسلوب کو ان کا شخصی اسلوب سمجھنا درست نہیں ہوگا۔ بلکہ وہ یہ چاہتے تھے کہ ہر شخص انہی کی طرح سادہ وتازہ اسلوب نگارش اختیار کرے تاکہ جو بات کہی جائے۔ وہ عام فہم ہو اور ہر کس وناکس کے دل میں اتر جائے۔ آپ کی اردو تحریک کا اندازہ اس نعرے سے ہوسکتا ہے، جو پابندی سے منادی کے سر ورق پر شائع ہوتا رہا ہے کہ:

ہر دم اللہ ہر دم اردو

غالباً انا طول فرانس نے یہ دلچسپ بات کہی تھی کہ ایک عظیم شخصیت کی پہچان یہ ہے کہ ہر نسل اس کو مختلف حیثیت سے پہچانے۔ یقین ہے کہ خواجہ صاحب کی شخصیت ہر زمانے میں ایک نئی شان کے ساتھ پہچانی جائے گی۔ جیسا کہ میں نے ابتدا میں عرض کیا کہ وہ حضرت امیر خسروؒ کی سیمابی فطرت، حضرت نصیر الدین چراغ دہلی کی دلسوزی، حضرت برہان الدین غریبؒ کے ذوق ابلاغِ محبت اور حضرت سید محمد گیسو درازؒ کے ذوق ارشاد و نگارش کے تنہا وارث تھے اور ان تمام اجزا کی شیرازہ بندی عشقِ حضرت محبوب الٰہیؒ سے ہوئی تھی۔

آپ کی شخصیت ان عناصر کے ساتھ ان گنت تحریکوں کا سرچشمہ تھی اور یقین ہے کہ آپ کی تحریکیں اپنے مکمل نتائج حاصل ہونے تک چلتی رہیں گی۔

خدا رحمت کند این عاشقان پاک طینت را۔

(یہ مضمون ۱۹۸۱ء کے سالانہ عرس کے موقع پر منعقدہ سیمینار میں پڑھا گیا)

☆☆☆

© http://www.khwajahasannizami.life

© Khwaja Syed Mohammad Shafi Nizami

حضرت خواجہ حسن نظامیؒ اور مذہبی مفاہمت

خواجہ حسن ثانی نظامی

ہم آپ ہی کیا؟ ایک دنیا کہتی ہے کہ عورت کو آزادی مغرب نے عطا کی ہے، مگر ہمارے سابق راشٹر پتی سروپلی رادھا کرشن جی نے یہ طلسم توڑ دیا اور بڑی عارفانہ اور مزے دار بات کہی کہ مغرب نے تو صرف اتنا کیا ہے کہ عورت کو مرد بنا دیا اور ظاہر ہے مرد بنتے ہی اس کو بھی اسی قسم کی آزادی حاصل ہوگئی جو قوامون علی النساء یعنی مردوں کا حصہ تھی۔ بات تو جب تھی کہ عورت عورت رہتی اور پھر اس کو آزادی ملتی۔

مذہبی مفاہمت، قومی یکجہتی اور باہمی اتحاد کے لیے بھی ہمارا رویہ کچھ اسی قسم کا ہے کہ ہر چیز کو جگہ سے بے جگہ کرنے پر تلے ہوئے ہیں، اور اپنی جانم میں سب مذہبوں، سب قوموں، سب فرقوں، سب تہذیبوں کا ایک گھولوا تیار کرنے کو یک جہتی اور ملاپ سمجھتے ہیں۔ ان کی ارواح نہ شرمائے، اکبر شاہ بھی جیتے جی یہی سمجھا کیے اور ان کی لکیر کو سمجھے بوجھے بغیر فقیر تو فقیر امیر تک اختیار کیے بیٹھے ہیں۔ رادھا کرشنن جی کے بقول بات تو جب تھی کہ ہندو ہندو رہتا، مسلمان مسلمان، جنوب جنوب ہوتا، شمال شمال۔ قالب کئی تھے تو ہوا کرتے، جان ایک رہتی جیسی کہ وہ ہے اور یہ جان، جانِ جہاں بن جاتی!

اس بات پر مجھے ایک لطیفہ حضرت خواجہ حسن نظامیؒ کا یاد آتا ہے۔ میل ملاپ اور اتحاد کے کسی جلسے میں ایک مقرر نے کہیں یہ کہہ دیا کہ سب کو شیر و شکر بن کر رہنا چاہیے۔ خواجہ صاحبؒ کی باری آئی تو انھوں نے ایک سائنٹسٹ کی طرح اس قول کا تجزیہ کر ڈالا اور کہا کہ شیر و شکر میں شیر یعنی دودھ اکثریت میں ہوتا ہے اور شکر اقلیت میں ہوتی ہے۔ ان دونوں کے ملنے سے دودھ تو ضرور میٹھا ہو جاتا ہے۔ لیکن شکر بے چاری اپنا وجود کھو دیتی ہے، اس لیے مجھے امید نہیں ہے کہ اقلیت والے اس طرح کے میل ملاپ کے لیے تیار ہوں گے۔

خوف، دہشت اور اندیشے کی حالت میں آپ کسی سے بھی ٹھنڈے دل اور صحیح فیصلے کی توقع نہیں کر سکتے اور زور زبردستی اور جبر کا ملاپ قانونی، اخلاقی کسی اعتبار سے بھی درست نہیں ہو سکتا۔ شمس العلماء مصور فطرت حضرت خواجہ حسن نظامیؒ اس بھید کو جان گئے تھے کہ ہندستان میں دوری اور بے اعتباری اور غلط فہمی سب کی بنیاد خوف اور اندیشے پر ہے، اور یہ خوف اور اندیشہ بہت حد تک ناواقفیت کی پیداوار ہے۔ اصل میں نہ مسلمان کو اس کی خبر ہے کہ ہندو کیا ہے اور کیا چاہتا ہے اور نہ مسلمان ہندوؤں کے مذہب اور ان کے ارادوں سے حقیقتاً آگاہ ہے۔ بس دور دور سے ایک دوسرے کو دیکھتے ہیں اور ڈرے سہمے جاتے ہیں۔ اس لیے انھوں نے سب سے پہلے تو خود دیگر مذاہب سے واقفیت حاصل کرنا چاہی اور پھر اسلام سے برادران وطن کو واقف کرانے کی بھرپور کوشش کی۔ ہندو مذہب کو جاننے کے لیے انھوں نے ایک سادھو اور جوگی کے روپ میں جگہ جگہ دھونی رمائی، ہندو روایات اور گیان کے مرکزوں کا دورہ کیا۔ مہاتماؤں کی آنکھیں دیکھیں۔ دو دانوں کی صحبت اٹھائی، تیرتھوں کی یاترا کرتے وقت انھوں نے یہ پروا بھی نہ کی کہ اس سے خود ان کے اپنے بھائی ہندوؤں میں غلط فہمیاں پھیل سکتی ہیں، چنانچہ سب جانتے ہیں کہ یہ غلط فہمیاں پھیلیں، ڈیڑھ ڈیڑھ سو مولویوں کے دستخطوں سے ان پر کفر کے فتوے لگے، برادری نے برسوں حقہ پانی بند رکھا، لیکن ایک دن

© http://www.khwajahasannizami.life

© Khwaja Syed Mohammad Shafi Nizami

دودھ اور پانی الگ ہو کر رہے اور مسلمانوں نے آخر کار دیکھ لیا کہ ان کا بھائی سچا اور پکا مسلمان ہے اور لاکھوں میں ایک ہے۔ دیگر مذاہب کا عرفان حاصل کرنے کے بعد خواجہ صاحبؒ نے سب سے پہلا کام یہ کیا کہ اردو میں کرشن جی، رام چندر جی، حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور بابا گورونانک صاحب کی سوانح عمریاں لکھیں، اور ان کی تعلیمات سے مسلمانوں کو واقف کرایا۔ خواجہ صاحبؒ نے ان بزرگوں کی پاک زندگیوں کا مطالعہ ڈوب کر کیا تھا، اور یہ ناممکن بات تھی کہ کوئی شخص اس طرح کے مطالعے کے بعد متاثر ہوئے بغیر رہ جاتا۔ چنانچہ جنھوں نے خواجہ صاحب کی لکھی ہوئی ان سوانح عمریوں کو پڑھا ہے انھیں خواجہ صاحب کرشن بھگت، عیسیٰ بھگت اور نانک بھگت کے روپ میں دکھائی دیتے ہیں، حالانکہ انھوں نے اپنے عقیدے کو ایک لمحے کے لیے بھی کبھی ترک نہیں کیا تھا، حضرت عیسیٰؑ کی سوانح عمری کے دیباچہ میں وہ لکھتے ہیں:

''مسلمانوں اور عیسائیوں میں تیرہ سو برس سے سیاسی لڑائیاں ہوتی آئی ہیں اور ہو رہی ہیں، اس واسطے ہر قوم کے آدمی ایک دوسرے کے پیشوا اور مذہب کے ہادی سے اور اس کی اصلی حقیقت سے بے خبر اور نا آشنا ہیں اور سیاسی تعصبات کے سبب اصلی بات کو سننا اور جاننا بھی نہیں چاہتے، ان کو اس کتاب کے ذریعے معلوم ہو جائے گا کہ سیاسی یا کسی اور خارجی وجہ سے سچی اور اچھی باتوں کو ترک کر دینا اور معلوم نہ کرنا بہت بے عقلی کی بات ہے..... کوئی قوم دوسری قوم کے مذہبی پیشوا کے صحیح حالات پڑھنے کے سبب اپنے عقائد سے منحرف نہیں ہو سکتی، اگر عیسائی لوگ حضرت محمد رسول اللہ صلعم کے اصلی حالات پڑھیں تو مسلمان نہیں ہو جائیں گے اور مسلمان اگر حضرت عیسیٰؑ کے حالات کا مطالعہ کریں تو وہ عیسائی نہ بن جائیں گے.....

میں نے ہندوؤں کے مشہور اوتار سری کرشن جی کے حالات پر کئی سال ہوئے ایک کتاب لکھی تھی، جو کئی بار چھپ چکی ہے اور کئی زبانوں میں اس کے ترجمے بھی ہو گئے ہیں، مگر آج تک نہیں سنا کہ کوئی مسلمان اس کو پڑھ کر ہندو ہو گیا ہو، یا کوئی ہندو اس کے پڑھنے سے مسلمان ہو گیا ہو۔''

میں نے ابتدا میں جان کے جان جہاں بننے کے ذکر کیا تھا، اس کی ایک چھوٹی سی مثال ہمیں خود خواجہ صاحبؒ کے ہاں نظر آتی ہے اور اس کو دراصل یک جہتی اور ملاپ سمجھنا بھی چاہیے۔ خواجہ صاحب عید میلاد پر ایک مضمون لکھ رہے ہیں۔ ماہ نامہ نظام المشائخ کے رسول نمبر کے لیے اسلامی حضور محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیدائش اور اس دنیا میں تشریف آوری کا ذکر ہو رہا ہے، ایک خالص مذہبی اور یوں کہنا چاہیے کہ اپنے گھر کی بات ہے، مگر مضمون کی اٹھان اور تیور دیکھیے:

غریبوں کا سلام لیجیے، گنہگاروں کا مجرا قبول فرمایئے، بے کس و لاچار امت کے خیر مقدم پر نظر توجہ ڈالیے، آج اوراق نظام المشائخ کے پلیٹ فارم پر ہم سب آپ کا استقبال اور خیر مقدم کرنے حاضر ہوئے ہیں۔ یہ ایک طرف آپ کی غریب امت کھڑی ہے۔ دوسری جانب عیسائی ہندو، آریہ ہیں، جو تہنیت کے گلدستے پیش کرنے چاہتے ہیں۔ یہ وہ زمانہ ہے کہ لوگ اپنے حاکم کے سامنے استقبال کے وقت اپنی ضروریات ظاہر کیا کرتے ہیں، گذشتہ کارناموں کو سناتے ہیں، موجودہ حالت کا نقشہ پیش کرتے ہیں، اور پھر اظہار رائے کے طلب گار ہوتے ہیں، دادرسی اور مراعات وانعامات کا یہی موقع سمجھا جاتا ہے، لہٰذا ہم بھی ہندوستان میں اپنے دین دنیا کے بادشاہ کا استقبال کرتے وقت رسم زمانہ کے موافق عرض حال ضروری سمجھتے ہیں..... جہاں پناہ یہ سن کر کمال

© http://www.khwajahasannizami.life

© Khwaja Syed Mohammad Shafi Nizami

درجہ مسرور ہوں گے کہ یہ ملک علوم الٰہیہ کے قبول کرنے اور ان میں جی لگا کر مصروف ہونے کی خاص صلاحیت رکھتا ہے۔ یہاں بھی اگلے زمانے میں توحید کا چرچارہ چکا ہے، اس خطے میں بھی خدا تعالیٰ نے اپنے مقبول بندوں شری رام چندر جی وشری کرشن جی ومہاتما بدھ کے ذریعے کلام حق بھیجا تھا..... ظل سبحانی کی سمع اقدس میں یہ واقعہ پیش ہونا ضروری ہے کہ اس ملک کی آسمانی کتاب میں وحدت الٰہی کا یہ کلمہ ارشاد ہوا ہے کہ ''ایکو برہم دوتیو ناستی'' جس کا عربی مفہوم لا الہ الا اللہ ہے..... جب ہم غلامان رسالتؐ اس دیار میں وارد ہوئے اور حضور عالیؐ کا پیام یہاں کے باشندوں کو سنایا تو وہ جوق جوق آئے اور آپ کے حکم کے سامنے سر جھکا دیا.....''

حضرت خواجہ صاحبؒ کے اسی رنگ نے ایک طرف مسلمانوں کو، خاص کر ان کے مسلمان مریدوں اور عقیدت مندوں کو بے حد متاثر کیا، ان میں دیگر مذاہب اور ان کے بڑے لوگوں کی فہمید اور عرفان پیدا ہوا اور دوسری طرف بہت سے غیر مسلموں کے نزدیک وہ غیر نہیں رہے، ان کی بات یگانگت کے جذبے اور محبت سے سنی گئی۔

حضرت خواجہ صاحبؒ کے مریدوں اور عقیدت مندوں میں ہندو سکھ عیسائی ہی شامل نہیں تھے، یہودی تک ان کے ہاتھ پر بیعت ہوئے۔ بستی حضرت نظام الدین اولیاء کے بوڑھے باشندے بمبئی کے ڈیوڈ شیلم نظامی کو بھولے نہ ہوں گے، جن کا تعلق بمبئی کے مشہور امیر کبیر یہودی سون گھرانے سے تھا اور جنھوں نے حضرت خواجہ صاحبؒ کے جدّ اعلیٰ حضرت خواجہ سید محمد امام نظامی کے مزار اور احاطہ درگاہ کی تعمیر کے وقت مزدوروں کے ساتھ اینٹ گارا ڈھویا تھا۔ ڈیوڈ شیلم کی عقیدت ہو یا مہاراجہ سرکشن پرشاد سابق صدر اعظم ریاست حیدرآباد کی محبت اور ارادت، ان سب کے پیچھے یہی حقیقت کارفرما تھی کہ حضرت خواجہ صاحبؒ میں انھوں نے ایک ایسا انسان پالیا تھا، جو مسلمان ہونے کے باوجود، علاحدہ رسم ورواج کا عادی ہونے کے باوجود انھیں اپنا ہی محسوس ہوتا تھا۔ بنیادی قدریں انھیں سب مشترک ہی نظر آنے لگی تھیں۔ ان لوگوں نے دیکھ لیا تھا کہ جس البیلے انداز اور والہانہ کیفیت سے خواجہ صاحبؒ نے پیغمبر اسلام علیہ الصلوٰۃ والسلام کی سوانح عمری لکھی ہے، وہی کیفیت حضرت عیسیٰؑ، حضرت موسیٰؑ، گورونانک اور کرشن جی کی بپتی لکھتے وقت بھی موجود ہے۔

حضرت خواجہ صاحبؒ نے کرشن جی کی پیدائش کو سچائی کے سویرے سے تشبیہہ دی اور لکھا:

''لو وقت آ گیا۔ رات کی تاریکی کے نور کا تیر لگا۔ اندھیرے کا سینہ چھد گیا، بھادوں کی کالی رات متھرا کی ظلم کار سیاہی سے گلے مل رہی ہے، زخمی ہے، دم دے رہی ہے۔ خدا نے کالی گھٹا کو بھیجا ہے۔ بادلوں کی گرج کو ساتھ کیا ہے۔ بجلی قہر کی زبانیں نکال نکال ابر کا لشکر سمیٹے لیے چلی آتی ہے — ذرا ٹھہرنا، تیز ہوا کا سناٹا، کڑک، چمک اور بارش کا شور سننے نہیں دیتا۔ متھرا میں غیبی ارواح کیا نغمہ گا رہی ہیں، کس کی آمد کا ترانہ سنا رہی ہیں۔''

اس کے بعد خواجہ صاحبؒ کرشن جی کے پروان چڑھنے کو دن کی شروعات سے تعبیر کرتے ہیں اور لکھتے ہیں:

''دودھ کے تالاب میں کرشن کا سفید کنول کھلا۔ بارہ گھنٹے سورج نے، بارہ گھنٹے چاند نے سایہ ڈال ڈال کر اس کنول کو پالنا شروع کیا، جنگل کی صاف ہوا نے پنکھے جھلے، جمنا کے پاس پانی نے ہاتھ منہ دھلائے اور اس طرح اس روشن دن کی پرورش ہونے لگی، جس کو قدرت نے ہندستان کی تاریکیاں اور ظلم کی شب دیجور کو دور اور فنا کرنے

© http://www.khwajahasannizami.life

© Khwaja Syed Mohammad Shafi Nizami

کے لیے بھیجا تھا — وہ وقت بھی آیا کرشن جی نے طفلی کا پردہ اٹھایا۔ جسودھا کی گود سے نیچے اترے، بیٹھنا سیکھا، کھڑا ہونا سیکھا، چلنے پھرنے لگے، گوالے سمجھے لڑکا ہوش میں آیا، ہاتف نے آواز دی۔ یہ بے ہوش کب تھا، عالم اسباب کی شکل بشر میں آیا تھا۔ اس واسطے کچھ دن چپ چاپ پڑا رہا۔ ورنہ یہ ازلی ہوش وحواس کا خزانہ لے کر زمین پر اترا تھا، اس کو عمر کے ان تغیرات کی محتاجی نہ تھی، جس کو تم بچپن، جوانی اور بڑھاپا کہتے ہو۔"

گورو نانک صاحب کا تذکرہ آتا ہے تو خواجہ صاحبؒ کا قلم یوں موتی بکھیرتا ہے۔

"سچے خدا کا سچا ولی، توحید کا سمندر، حقانیت کا طوطی ہزار داستان، پانچ دریاؤں کے ملک میں حواس خمسہ کو شیریں گفتار سے دست وحدت دینے والا ست گورو نانک صاحب — سونے چاندی اور ہیرے موتی کی دھوم دھام میں جس نے غریب لوہے کو عزت کا تاج پہنایا۔ ہر چیلے کے ہاتھ میں آہنی کڑا ڈال کر غریب پرست بنایا۔ نانک فطرت الٰہی کی آنکھ کا تارہ تھے، جس میں نور محمدیؐ جلوہ فگن تھا۔ یہی وجہ تھی کہ انھوں نے رسول عرب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرح غیر خدا کی پرستش سے انکار کیا اور مراسم جہالت کو توڑ ڈالا اور کائنات کے ہر ذرّے کو نظر توحید سے دیکھا — ایسی نظریں ادب کے قابل ہیں، پیار کے قابل ہیں۔ انسان اپنی سب قابلیتیں ان پر نثار کردے اور فدا ہوجائے۔"

حضرت خواجہ صاحبؒ، نے قرآن مجید کا ہندی ترجمہ آج سے تقریباً آدھی صدی پہلے شائع کردیا تھا، اس ترجمے کی تیاری کے وقت تبلیغ قرآن کے علاوہ یہ مقصد بھی ان کے پیش نظر تھا کہ اس طرح غیر مسلموں کی رسائی قرآن مجید تک براہ راست ہوجائے گی اور جو غلط فہمیاں مسلمانوں اور تعلیم اسلام سے متعلق پھیلی ہوئی ہیں وہ دور ہوجائیں گی، مہاتما گاندھی کے پاس اس ترجمے کی کاپی پہنچی تو انھوں نے خواجہ صاحبؒ کو بطور خاص داد دی اور کہا کہ یہ کام سینکڑوں برس پہلے ہی ہوجانا چاہیے تھا، اگر ایسا ہوتا تو غلط فہمیوں کی نوبت ہی نہ آتی۔

خواجہ صاحب کا روز نامچہ پڑھنے والے اندازہ کرسکتے ہیں کہ انھیں ہر وقت یہ لگن لگی رہتی تھی کہ کسی طرح کثرت میں وحدت ہاتھ آجائے۔ ۱۹۳۴ء کے محرم میں وہ اتفاق سے حیدرآباد میں تھے۔ چار مینار کی عمارت سے انھوں نے محرم کا جلوس دیکھا اور پھر اپنے روز نامچے میں اس کا جو حال لکھا وہ پڑھنے کے قابل ہے۔ ملاحظہ ہو:

"حیدرآباد شہر کے چوک میں ایک شاندار عمارت چار مینار کے نام سے مشہور ہے، جس کی تصویر موجودہ حیدرآبادی سکّوں پر بھی ہے۔ یہ عمارت بھی قطب شاہی ہے، اور ان بادشاہوں نے چونے پتھر کا یہ ایک عظیم الشان تعزیہ بنایا تھا، جو صدیوں سے آج تک قائم ہے، جس کی چھت کے اوپر ایک رخ مسجد ہے اور دوسرے رخ مندر ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ اس ملک کے ہندو مسلمان اگر متحد ہوسکتے ہیں تو مراسم محرم اور تعزیے پر متحد ہوسکتے ہیں۔ چنانچہ آج اس ملک میں ہر جگہ یہ چیز نظر آتی ہے کہ مراسم محرم میں مسلمانوں سے زیادہ ہندو حصہ لیتے ہیں....."

اس کے بعد خواجہ صاحبؒ جلوس کے ہجوم کے بارے میں تحریر فرماتے ہیں کہ:

"اس ہجوم میں ۸۰ فیصد ہندو تھے اور ۲۰ فیصد مسلمان تھے اور یہ اندازہ میں نے ہجوم کی دھوتیوں اور پائجاموں سے کیا، کیونکہ ہندو سب دھوتیاں باندھے ہوئے

© http://www.khwajahasannizami.life

© Khwaja Syed Mohammad Shafi Nizami

تھے۔ آج میں نے بتایا کہ یہ مراسم محرم، ہندو مسلم اتحاد کے لیے کس قدر ضروری اور مفید ہیں۔"

آخر میں حضرت خواجہ صاحبؒ کی تحریروں سے بس ایک اقتباس اور پیش کرتا ہوں جس سے معلوم ہوگا کہ یک جہتی کا ہماری قومی زندگی میں کیا مقام ہے۔ خواجہ صاحبؒ نے لکھا تھا:

"جنگ یوروپ کے بعد ہم سب کو اپنی برطانی سرکار سے سوراج، سلف گورنمنٹ، ہوم رول یا حکومت خود اختیاری ملنے کی توقع لگی ہوئی ہے، مگر وہ توقع کیونکر پوری ہو سکتی ہے، جبکہ ہماری زبانوں میں اختلاف ہے، ہمارے مذاہب میں اختلاف ہے، ہماری معاشرت یعنی رہنے سہنے میں اختلاف ہے اور ہم میں سے ہر ایک فرقہ دوسرے ہم وطن گروہ سے ٹوٹا ہوا اور بگڑا ہوا نظر آتا ہے۔ ایک اصولی اتحاد کے بغیر ہندوستان حکومت خود اختیاری کے قابل قیامت تک نہ سمجھا جائے گا اور اس کا ذریعہ یہی ہے کہ ہندو اپنے عقائد گھروں اور دلوں تک محدود رکھیں اور مسلمانوں سے ان کو ٹکرانے کی کوشش نہ کریں اور مسلمان اپنے عقائد و اعمال میں خانگی طور پر سرگرم رہ کر دوسرے فرقوں اور مذاہب کی مداخلت سے احتیاط رکھیں تاکہ باہر کی دنیا میں طرز عمل اور برتاؤ ہم سب کا بالکل متحد نظر آئے۔ اور یہ جب ہی ہوگا کہ ہم ایک دوسرے کے بزرگوں کی عزت کرنی سیکھیں اور ان سے واقفیت حاصل کر کے غیر ہندی اقوام کے سامنے ان کا ذکر، فخر کے ساتھ کیا کریں کہ ہمارے کرشن ایسے تھے، ہمارے رام ایسے تھے، ہمارے اکبر ایسے تھے، ہمارے شاہ جہاں ایسے تھے۔"

☆☆☆

نظامی بنسری

نوشتہ مصور فطرت خواجہ حسن نظامیؒ

سلطان المشائخ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء محبوب الٰہی کے ایک ہندو مرید راجکمار ہردیو نامی، جو بعد میں مسلمان ہو گئے۔ احمد ایاز ان کا نام رکھا گیا۔ خواجہ جہاں خطاب ملا۔ سلطان محمد تغلق کے داماد اور ہندوستان کے وزیر اعظم بنائے گئے۔ انھوں نے اپنے پیر کے ہاں حاضری کی ڈائری چہل روزہ کے نام سے فارسی میں لکھی تھی۔ حضرت خواجہ حسن نظامیؒ نے اس کا اردو میں ترجمہ کیا اور دیگر تاریخی کتابوں اور ملفوظات سے حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء محبوب الٰہیؒ کے سوانح حیات اور تعلیمات کو جمع کر کے اپنی معرکۃ الآراء کتاب نظامی بنسری میں شائع کیا۔ جس نے یہ کتاب ایک دفع پڑھ لی، وہ اس کو بار بار ورد اور وظیفے کی طرح پڑھتا ہے۔ بیمار اس کتاب کو پڑھنے اور سننے سے تندرست ہو جاتے ہیں اور ہر شخص مطالعے کے وقت ایسا محسوس کرتا ہے، گویا وہ سلطان المشائخ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء محبوب الٰہیؒ کی مجلس میں حاضر ہے، اور حضرت کی خصوصی توجہات اس کو حاصل ہیں۔ اس کتاب کے متعدد ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں اور ہاتھوں ہاتھ لیے گئے ہیں۔ نیا ایڈیشن تیار ہے۔ ضخامت پانچ سو صفحات سے زیادہ ہے۔

نیا ایڈیشن ——— قیمت: ۴۰۰ روپے

ملنے کا پتہ

خواجہ حسن ثانی نظامی، خواجہ ہال۔ بستی حضرت نظام الدین اولیاءؒ، نئی دہلی۔ 110013

© http://www.khwajahasannizami.life

© Khwaja Syed Mohammad Shafi Nizami

مصورِ فطرت شمس العلماء حضرت خواجہ حسن نظامیؒ

کی تمام بے مثال و نادر تصنیفات نیز خواجہ حسن ثانی نظامی کی کتابیں درج ذیل پتے سے حاصل کی جاسکتی ہیں

خواجہ حسن ثانی نظامی

خواجہ ہال، بستی حضرت نظام الدین اولیاءؒ، نئی دہلی 110013

ترتیلی ترجمہ قرآن مجید (اردو)	حضرت خواجہ حسن نظامیؒ	قیمت: 400/-
ترتیلی ترجمہ قرآن مجید (ہندی)	حضرت خواجہ حسن نظامیؒ	قیمت: 400/-
مراۃ الاسرار (اردو)	حضرت شیخ عبدالرحمٰن چشتیؒ	قیمت: 800/-
سیر الاولیاء (فارسی)	حضرت اعجاز الحق قدوسیؒ	قیمت: 800/-
سیر الاولیاء (اردو)	حضرت اعجاز الحق قدوسیؒ	قیمت: 600/-
سفرنامہ مصر و شام و حجاز	حضرت خواجہ حسن نظامیؒ	قیمت: 350/-
1857 کی بارہ کتابیں ایک جلد میں	حضرت خواجہ حسن نظامیؒ	قیمت: 800/-
فوائد الفواد (اردو)	خواجہ حسن ثانی نظامی	قیمت: 800/-
فوائد الفواد (ہندی)	خواجہ حسن ثانی نظامی	قیمت: 800/-
نظامی بنسری	حضرت خواجہ حسن نظامیؒ	قیمت: 400/-
تصوف، رسم اور حقیقت	خواجہ حسن ثانی نظامی	قیمت: 200/-
سی پارۂ دل	حضرت خواجہ حسن نظامیؒ	قیمت: 150/-
میلاد نامہ	حضرت خواجہ حسن نظامیؒ	قیمت: 100/-
راحت القلوب	حضرت ملا واحدیؒ	قیمت: 75/-
اعمال حزب البحر	حضرت خواجہ حسن نظامیؒ	قیمت: 200/-
مرشد کو سجدۂ تعظیم	حضرت خواجہ حسن نظامیؒ	قیمت: 50/-
تذکرۂ نظامی	خواجہ حسن ثانی نظامی	قیمت: 20/-
مادرِ ہمدرد	حضرت خواجہ حسن نظامیؒ	قیمت: 50/-
محرم نامہ	حضرت خواجہ حسن نظامیؒ	قیمت: 200/-

© http://www.khwajahasannizami.life

© Khwaja Syed Mohammad Shafi Nizami

Postal Regn. No. DL(S)-19/3117/2009-11
RNI No.-793/57

Volume 85 · November-2011 Issue No.11

THE MUNADI DELHI

Telephone : 24359807

© https://www.khwajahasannizami.life

Printer, Publisher & Owner Khwaja Hasan Sani Nizami Printed at : M.R.Printers, Street Garhiyya, Kucha Chellan, Darya Ganj, New Delhi-110002 Published from Dargah Hazrat Khawaja Nizamuddin Aulia, New Delhi-13

© http://www.khwajahasannizami.life